ماہنامہ

انوار مدینہ

لاہور

بلغ العلیٰ بکمالہ

کشف الدجیٰ بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ

صلوا علیہ وآلہ

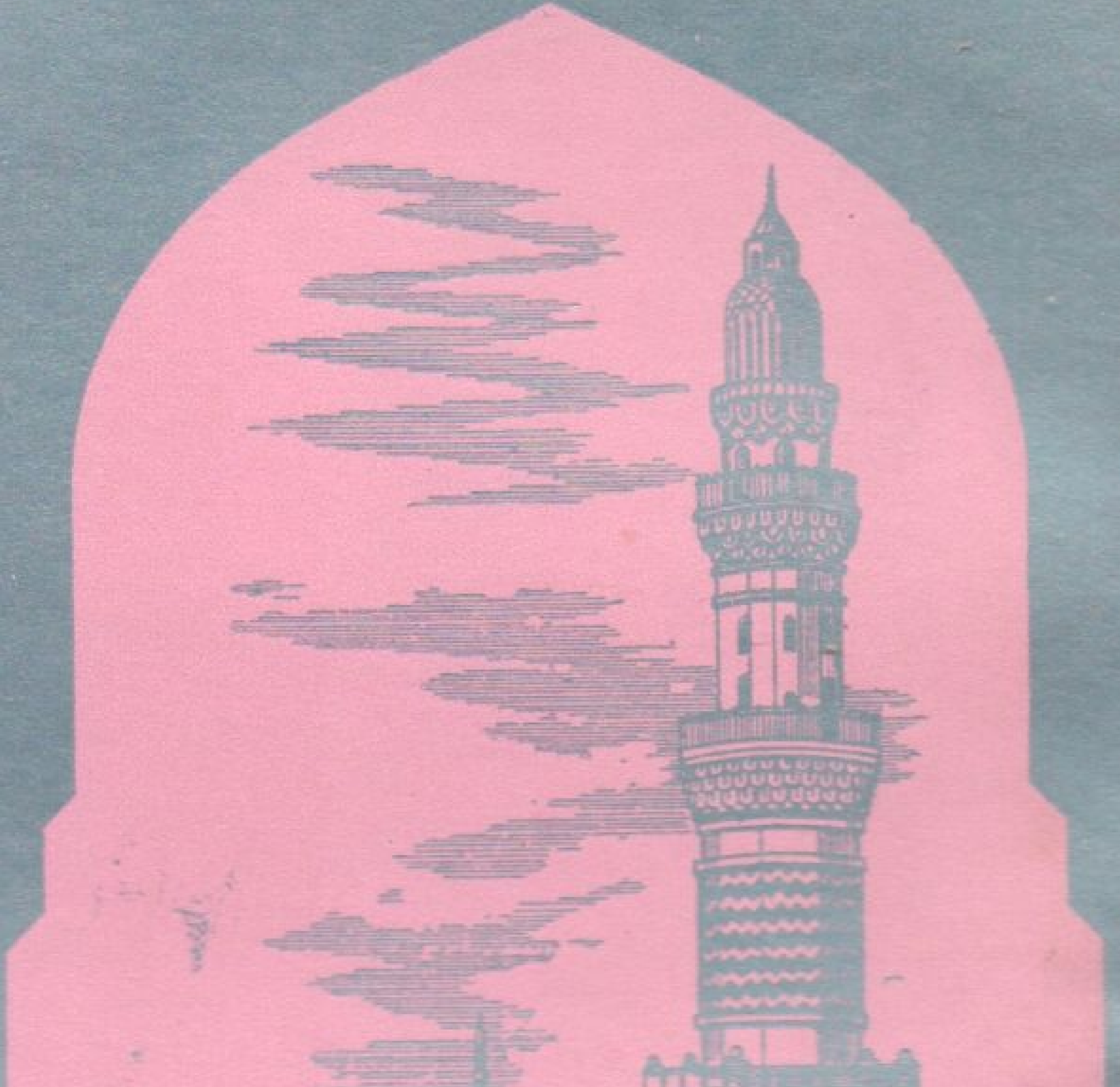

نگرانِ اعلیٰ

حضرۃ مولانا سید حامد میاں مدظلہ مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ مدنیہ لاہور

ماہنامہ

انوارِ مدینہ

جلد: ۳ —— شمارہ: ۶/۷
ذیقعدہ و ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ = دسمبر ۷۲ء، جنوری ۷۳ء

کاتبِ انوارِ مدینہ
کی ناسازیٔ طبع کی وجہ سے ذیقعدہ
کا شمارہ شائع نہ ہوسکا۔ ذی الحجہ کا پرچہ
بھی ہماری تمام تر کوششوں کے باوجود وقت
پر اشاعت پذیر نہ ہوسکا۔ جس پر ہمیں افسوس
بھی ہے اور ندامت بھی۔

— ادارہ —

قلم: حبیب الرحمن اشرف
فاضل جامعہ مدنیہ لاہور

بدل اشتراک: سالانہ سات روپے — طلبہ کیلئے پانچ روپے — فی پرچہ ۶۵ پیسے

جامعہ مدنیہ ○ کریم پارک ○ راوی روڈ ○ لاہور

اس شمارے میں

اداریہ		۳
گلستانِ حبیبستان	حضرت علامہ شمس الحق افغانی	۶
اُولٰئک ہم الراشدون	حضرت علامہ سید محمد میاں دیوبندی	۱۲
لطائفِ حج	شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ	۳۳
نعت		۳۸
صحابہؓ کا شوقِ حدیث	حضرت مولانا محمد عبدالشکور دین پوری	۴۰
حج	محترم نور محمد غفاری	۴۲
حفاظ و محافظینِ قرآن	حضرت مولانا قاری رحیم بخش	۵۴
رائے گرامی	شیخ الازہر محمد محمد الفحام	۶۲
قلمی نوادرات	جناب پروفیسر محمد اسلم	۶۴
غزل	جناب احسان دانش	۶۹
تبصرہ		۷۰

سید حامد میاں مہتمم جامعہ مدنیہ طابع و ناشر نے مکتبۂ جدید پریس لاہور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ انوارِ مدینہ، جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لا ترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ سید ومولانا محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین۔ امابعد! قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم "لا ترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض"۔

(میرے بعد پلٹ کر کافر نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔)

پاکستان نصف رہ جانے کے بعد سے اپنی سی کوشش کر رہا ہے کہ وہ ترقی کی طرف گامزن رہے۔ اس ایک سال میں متعدد بار ہنگامے بھی ہوتے اور یہ ہنگامے فرو بھی ہو گئے، لیکن ایک المیۃ بہت بڑا ہوا کہ خواجہ رفیق صاحب شہید کر دیئے گئے۔

ان کی شہادت ان کے لئے قیامت میں سرخروئی کا باعث ہو گی، لیکن اس رسم بد کے رکھنے والے ملک میں جس رخ چل پڑے ہیں وہ بہتر نہیں ہے۔ اگر لیڈروں کے قتل کا سلسلہ چل پڑا تو ملک کام کے آدمیوں سے محروم ہو جائے گا۔ اور پھر جمہوریت کی جگہ وہ آمریت لے لے گی کہ جس سے بمشکل اب چھٹکارا حاصل ہوا ہے اور سیاست دانوں کا فقدان ایسی تباہی لا سکتا ہے جیسی ماضی قریب میں گزری۔

اسی لئے جناب کوثر نیازی صاحب وزیر نشریات و اوقاف و حج نے اپنے تعزیتی کلمات میں فرمایا کہ "اگر یہ صورت جاری رہی تو ملک کی سالمیت بھی خطرہ میں پڑ جائے گی"۔

اختلاف رائے کا حق دینے سے بہت سے فائدے ہوتے ہیں۔ ایک اہم فائدہ تو یہ ہوتا ہے کہ ملک صحیح خطوط پر چلتا رہتا ہے۔ دوسرے یہ کہ صحیح رائے دینے والے اور سیاست داں پیدا ہوتے ہیں

اور ملک سیاست دانوں سے محروم نہیں ہوتا۔ بصورت دیگر کوئی ایسا سیاست داں ہی پیدا نہیں ہوتا جو اپنے سے پہلے کی جگہ لے لے۔

خواجہ رفیق مرحوم دردِ دل رکھنے والے سیاسی شخص تھے۔ ان کے سب واقف کار جوان سے اختلاف بھی رکھتے تھے ان کے مداح ہیں اور ایسے مخلص کارکن اور لیڈر کی شہادت ملک کے لئے ایک بڑا المیہ ہے۔ ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انکو غریقِ رحمت کرے اور ان کی شہادت ان نادان سخت دل لوگوں کی قساوت کو نرمی میں بدل دے جو ملک میں ایسی غلطی کر کے سیاست کو غلط نہج پر لیجانا چاہتے ہیں۔

جنابِ محترم کوثر نیازی صاحب کو خود چند روز پیشتر ایک عظیم حادثہ پیش آیا جس کے نتیجہ میں وہ اپنے ہونہار و لائق لختِ جگر سے محروم ہو گئے۔ ہمیں اس کا بیحد قلق ہے اور ہم ان کے غم میں شریک ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے یہاں شہادت کا اجر عطا فرمائے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اور جناب نیازی نے جس صبر و تحمل اور عفو و درگذر کا مظاہرہ فرمایا ہے اس پر انہیں اجر مضاعف دے۔ اور ان کے اخلاف کو مثالی صلاح و تقوے کی دولت نصیب ہو۔ آمین۔

ہماری بداعمالیوں میں ہر سمت اور ہر جگہ اضافہ ہی ہے۔ کروڑوں روپے کی بجلی کی چوری، ٹیلیفون کے تاروں کی چوری، گراں فروشی یعنی مہذب لوٹ۔ یہ گناہ جزو معاشرہ بن کر رہ گئے ہیں۔ یہ ایسے ناقابل عفو جرائم ہیں کہ جنہوں نے نئی قیادت کے ثمرات وجود میں آنے سے پہلے ہی روک دیئے۔ ضرورت ہے کہ صدرِ محترم ان خرابیوں کے انسداد کے لئے موثر قدم اٹھائیں۔ اس کام میں جتنی تاخیر ہوگی وہ قوم میں ہیجان و اضطراب کا باعث ہوگی۔

مصر کے امام اکبر شیخ الازہر محمد محمد الفحام کی تشریف آوری اہلِ پاکستان کے لئے مبارک فال ہے۔ جامعہ ازہر دنیا کی عظیم ترین درسگاہ ہے جہاں آجکل ۳۳ ہزار طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ جن میں چھ ہزار پوری دنیا کے مختلف ممالک کے ہیں۔ اس کی عمارتوں کا سلسلہ اتنا وسیع ہے کہ اس کی ۸۸ سے

زیادہ بلڈنگیں ہیں۔ اسمیں دنیا کی بہت سی زبانیں بھی سکھائی جاتی ہیں۔ اور بڑی خوشی کی بات ہے کہ وہاں ہماری قومی زبان اردو کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔

مصر میں بہت سی یونیورسٹیاں ہیں اور ہر ایک کا وائس چانسلر ہے، لیکن جامعہ ازہر کے شیخ کو مصر میں "الامام الاکبر" جیسے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان کا درجہ صدر مملکت کے بعد شمار ہوتا ہے اور مذہبی امور میں اس سے بھی زیادہ سمجھا جاتا ہے۔

اس وقت شیخ الازہر مدظلہم العالی کی عمر مبارک ۷۹ سال ہے۔ نہایت خلیق و متواضع بزرگ ہیں۔ آپ کو اہلِ پاکستان سے قلبی لگاؤ ہے۔ ان کی شفقت اور تشریف آوری ہمارے لئے باعثِ مسرت و امتنان ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن کا سایۂ عاطفت دراز فرمائے اور ان کو مسلمانانِ پاکستان کی طرف سے جزائے خیر دے۔

گذشتہ ماہ انوارِ مدینہ کے مینجر جنابِ محترم ماسٹر عطاء اللہ خاں صاحب کے ماموں صاحب انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسی طرح ہمارے محترم کرم فرما جناب گل محمد صاحب کی اہلیہ محترمہ بھی گذشتہ ماہ وفات پاگیں۔ ہمیں ہر دو کے انتقال سے صدمہ پہنچا۔ اللہ تعالیٰ دونوں کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطاء فرمائے۔ آمین۔ قارئین کرام سے بھی درخواست ہے کہ ان کی مغفرت اور بلندیٔ درجات کی دعاء فرمائیں۔

مناظرِ اسلام حضرت مولانا لال حسین اختر مدظلہم العالی داخلِ ہسپتال ہیں۔ سر میں چوٹ آئی ہے۔ اس کے اثر سے پہلے تو سارا بدن بے حرکت ہوگیا تھا، لیکن اب آپریشن کے بعد سے پاؤں حرکت کرنے لگے ہیں۔ دعاء کی ضرورت ہے کہ حق تعالیٰ شفاء کاملہ عطاء فرمائے۔ آمین۔

سُبحان اللہ وبحمدہٖ سُبحان اللہ العظیم

کلمتانِ حبیبتانِ

اس بار جامعہ مدنیہ لاہور میں بخاری شریف کا ختم شیخ التفسیر حضرت علامہ مولانا شمس الحق صاحب افغانی مدظلہم نے کرایا۔ اس موقع پر آپ نے جو تقریر فرمائی، اس کی دوسری قسط اس شمارہ میں پیش کی جارہی ہے۔

باقی آئندہ — انشاءاللہ تعالیٰ۔ ——— ادارہ

پہلی چیز من جہۃ الحدیث بیان ہوگی۔ بخاری کی یہ حدیث صحاح ستہ میں سے فقط ایک کتاب ابو داؤد میں نہیں باقی سب میں ہے — بخاری شریف میں یہ حدیث صرف تین جگہ آئی ہے۔ ایک آخرالکتاب میں، یعنی یہاں۔ ایک کتاب الدعوات میں اور سوم کتاب الایمان والنذور میں یعنی قسم اور نذروں کے بیان میں۔ اور تین جگہ امام بخاری جو یہ حدیث لائے اور یہاں وزنِ اعمال میں بھی لائے، تو ہر جگہ جدا مناسبت ہے، لیکن وہ ابواب چونکہ میرے موضوع سے خارج ہیں اس لئے انکو نظر انداز کرتا ہوں، البتہ یہاں اس موضوع پر — مختصر بحث کرتا ہوں۔ حدثنا احمد بن اشکاب۔ غیر منصرف ہے لہٰذا "بَ" پر فتحہ ہوگا۔ اشکاب راوی کے والد کا لقب ہے۔ اور طاقتور کے معنیٰ میں بھی اشکاب آتا ہے۔

حافظ ابن حجر جو فن رجال کے عالم ہیں بیان فرماتے ہیں کہ ایک احمد ابن اشکاب ہیں۔ ایک محمد ابن اشکاب ہیں اور ایک علی ابن اشکاب ہیں۔ تو جن لوگوں کی نگاہ حدیث پر عمیق نہیں وہ یہ سمجھیں گے کہ اشکاب کے تین بیٹے تھے، لیکن حافظ ابن حجر نے تصریح کی ہے کہ ولیس بین احمد بن اشکاب ومحمد ابن اشکاب وعلی بن اشکاب قرابۃ۔ ان تینوں میں کوئی قرابت نہیں، یعنی یہ بھائی نہیں۔ معلوم ہوا کہ اشکاب مشترک لفظی ہے۔ احمد کا جو باپ اشکاب ہے وہ اور آدمی ہے اور محمد کے باپ کا نام بھی اشکاب ہے، وہ اور آدمی (جیسے عبداللہ دس آدمیوں کا نام ہوجاتا ہے) اور علی ابن اشکاب وہ الگ آدمی ہے۔ اس حدیث میں دوسرے راوی ابوزرعہ ہیں۔ یہاں ابوزرعہ سے کون سے ابوزرعہ مراد ہیں؟ کیونکہ ایک

ابوزرعہ کوفی ہیں۔ دوسرے ابوزرعہ دمشقی ہیں اور تیسرے ابوزرعہ رازی ہیں۔ تو تین ابوزرعہ ہیں اور یہ چونکہ کنیت ہے اس لئے نام کو دیکھا جاتے تو ابن عبداللہ البجلی ایک شخص ہے۔ دوسرے ابوزرعہ وہ عبدالرحمان بن عبداللہ دمشقی ہیں اور بعضوں کے نزدیک عبدالرحمٰن ابن عمرو دمشقی ہیں۔ ثانی قول راجح ہے یعنی عبدالرحمٰن بن عمرو دمشقی ہیں۔ اور ابوعمرو رازی جو ہیں وہ عبیداللہ ابن عبدالکریم ہیں۔ رازی، وہ مراد نہیں۔

اس حدیث کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ یہ کل حدیث اسناداً کوفی ہے الا الصحابی۔ یعنی ابوہریرہؓ کے سوا۔ کل رواۃ کوفہ کے رہنے والے ہیں۔ جو امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وطن ہے۔ صحاحِ ستہ میں ابوداؤد کے سوا سب نے نقل کیا ہے۔ تو ترمذی نے بھی نقل کیا ہے اور ترمذی نے یہ بیان کیا ھٰذا حدیث حسن صحیح غریب۔ یہ حدیث حسن ہے۔ صحیح تو اس لئے کہا کہ بخاری لائے ہیں کون صحیح نہیں کہے گا، لیکن ساتھ ہی انہوں نے اسے غریب کہا ہے۔ معلوم ہوا کہ حاکم کے استاذ ابوعلی نیسابوری نے جو مثنویتِ رواۃ شرط للصحیح قرار دی ہے، وہ غلط ہے۔ حدیثِ آخر پر بھی اور حدیثِ اول بخاری پر بھی وہ درست نہیں، کیونکہ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ غریب ہے، کیوں؟ لتفرد محمد ابن فضیل وشیخہ وشیخ شیخہ وصحابیہ۔ کیوں؟ اس لئے کہ محمد ابن فضیل نے تنہا اس کی روایت کی ہے عمارہ سے اور کسی نے نہیں کی اور عمارہ ابن قعقاع نے تنہا روایت کی ہے۔

ابوزرعہ سے اور کسی نے نہیں کی۔ اور تنہا ابوزرعہ نے روایت کی ہے ابوہریرہؓ سے اور کسی نے نہیں کی ہے۔ تو ان تین تفردات کی وجہ سے حدیث غریب ہوتی ہے اور اس طرح وہ حدیث بھی غریب ہے جس کے پہلے راوی حمیدی ہیں (یعنی انما الاعمال بالنیات والی) اور دوسرے سفیان ابن عیینہ ہیں۔ تیسرے یحیٰی ابن سعید انصاری ہیں۔ چوتھے محمد ابن ابراہیم، پانچویں علقمہ ابن وقاص اللیثی ہیں اور عمر ابن الخطابؓ تو صحابی ہیں، تو اس میں یحیٰی ابن سعید انصاری سے اوپر سب تفردات ہیں۔ ویسے نیت کی حدیثیں صحابہ سے کثرت کے ساتھ آئی ہیں، لیکن حفاظ حدیث فرماتے ہیں کہ ان الفاظِ خاص کے ساتھ۔ لا یرویہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا عمر ولا یرویہ عن عمر الا علقمۃ ابن وقاص اللیثی ولا یرویہ عن علقمۃ ابن وقاص اللیثی الا محمد ابن ابراھیم التیمی ولا یرویہ عن محمد ابن ابراھیم التیمی الا یحیٰی ابن سعید الانصاری ثم بعد یحیٰی ابن سعید الانصاری قد کثرت الرواۃ اور نوویؒ نے فرمایا حتّٰی بلغت نحو مأتین۔ یحیٰی ابن سعید سے پھر دو سو راویوں نے بیان کیا ہے۔

تو تواتر کے درجہ کو پہنچی، تو معلوم ہوا کہ حدیثِ اول بھی غریب ہے اور حدیثِ آخر بھی۔ یہ بات ختم ہو گئی۔

اس کے بعد لغت کے اعتبار سے یہ ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے باب قول اللہ عزوجل کے تحت ونضع الموازین کی آیت ذکر فرمائی ہے۔ "موازین" یا جمع موزون کی ہے جیسے مشاہیر مشہور کی جمع ہے۔ یا موازین میزان کی جمع ہے جیسے "مفاتیح" مفتاح کی جمع ہے۔ الثانی اولیٰ (دوم اولیٰ ہے) کہ موازین میزان کی جمع ہے ــــــــ جو اسم آلہ ہے، یہ ترجیح ہو گئی۔ لیوم القیٰمۃ، "لام" اگر بمعنیٰ "فی" ہو تو فی یوم القیٰمۃ یعنی یہ قیامت کا دن اس وضعِ موازین کے لئے ظرفِ زمان ہے اور اگر "لام" تعلیل کے لئے ہو تو لیوم القیٰمۃ میں عبارت بحسب المضاف ہے اور معنیٰ یہ ہیں کہ ونضع الموازین القسط لحساب یوم القیٰمۃ، تو "لام" تعلیل کے لئے ہوا کہ حسابِ یوم القیٰمۃ کے لئے وضعِ موازین ہوگا۔

موازین کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ ترازو متعدد ہیں، اسکی تحقیق آگے بیان ہوگی۔ وان اعمال بنی آدم وقولھم یوزن وقال مجاھدٌ القسطاس العدل۔ اگر کوئی کہے کہ یہاں "قسطاس" کا تو ذکر ہی نہیں، پھر قسطاس کیوں لاتے۔ ونضع الموازین القسط میں "قسط" کا ذکر ہے، قسطاس کا نہیں۔ تو یاد رکھو۔ کتاب التفسیر کے پڑھنے سے آپ نے اندازہ لگایا ہوگا کہ امام بخاری کی عادت ہے۔ انہ ینتقل من لفظ الی لفظ اٰخر یناسب الاول فی بعض الحروف۔ تو یہاں نضع الموازین القسط میں اول اور دوم حروف "ق" اور "س" تھے اور قسطاس میں بھی اول اور دوم حرف "ق" اور "س" تھے۔ تو اگرچہ "قسط" کے جدا معنیٰ ہیں اور قسطاس کے جدا معنیٰ ہیں، کیونکہ قسطاس کے معنیٰ ترازو ہیں اور قسط کے معنی عدل اور انصاف کے ہیں۔ تو یہاں مصنفؒ ادنیٰ مناسبت سے ایک اور لفظ کی تشریح کی طرف منتقل ہو گئے۔

بہر حال مجاہد فرماتے ہیں کہ قسطاس رومی زبان میں انصاف کو کہا جاتا ہے۔ اور دیگر محققین کی رائے یہ ہے کہ اس کے معنیٰ انصاف کے نہیں، اس صورت میں تو پھر قسط اور قسطاس ہم معنیٰ ہو گئے اور مترادف ہو گئے۔ بلکہ قسطاس کے معنی میزان اور ترازو کے ہیں۔ ویقال القسط مصدر المقسط۔ یہ بھی بظاہر خلاف معلوم ہوتا ہے، کیونکہ مقسط تو اسمِ فاعل ہے باب افعال سے، اس کا مصدر تو "اقساط" ہوگا۔ قسط تو نہ ہوگا، تو امام بخاریؒ کے یہاں توسیع ہے۔ وہ سیبویہ کی نحو کے پابند نہیں۔ یہ مصدر المصدر کو بھی مصدر کہتے ہیں مصدر المصدر یعنی ماخذ کا ماخذ اس لئے فرما رہے ہیں کہ قسط مصدر ہے مقسط کا، تو معنیٰ یہ ہوئے کہ "مقسط" کا مصدر

اُقساطٌ ہے اور اُقساطٌ بحذف الزوائد کا مصدر قسطٌ ہے، تو قسط گویا ماخذ الماخذ ہوا یا مصدر المصدر ہوا۔ تو بالواسطہ وہ بھی مصدر ہوا۔ وھو العادل۔ مقسطٌ عادل کو کہتے ہیں اور "قاسط" جائر اور ظالم کو کہتے ہیں۔

یہاں ایک لغوی تحقیق بیان کرنی چاہتا ہوں کہ جب عربی لغت میں ضرب یضرب کے باب سے قَسَطَ یَقسِطُ استعمال کیا جائے جس کا مصدر قسطاً بفتح القاف اور قسوطاً فعول کے وزن پر بضم القاف والسین آتا ہے تو اس کے معنیٰ ظلم کرنا، حق راستہ سے پھر جانا۔ یعنی جار وحاد عن الطریق کے ہوں گے، اور اگر اسی باب سے قسطاً بکسر القاف مصدر لایا جائے تو اس کے معنیٰ ہونگے، عدل اور انصاف۔ تو معلوم ہوا کہ یہ لفظ ضدّین کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ قاسط، عادل کو بھی کہا جاتا ہے، اور ظالم کو بھی، لیکن اب متعارف محاورہ یہ ہے کہ عادل کے معنیٰ میں جب اس لفظ کا استعمال کرنا مقصود ہوتا ہے تو مزید کا صیغہ استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً "مقسط" اور جب جور و ظلم کے معنیٰ میں استعمال کرنا ہوتا ہے (قسطاً اور قسوطاً سے) تو مجرد کے باب سے قاسط لاتے ہیں، تو قسطاً و قسوطاً کا اسم فاعل فی معنی الجور والظلم کثیر الاستعمال ہے اور جو قسط عدل کے معنیٰ میں تھا، تو وہ بروزن فاعل استعمال نہیں ہوتا بلکہ اس کا مزید جو مقسط ہے وہ عادل کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔

اس میں ایک مشہور قصہ حضرت سعید ابن جبیر اور حجاج بن یوسف کے مکالمہ کا ہے۔ حجاج وہ شخص ہے کہ ترمذی میں ذکر ہے کہ ایک لاکھ بیس ہزار تابعین اور تبع تابعین کو اس نے اپنے سامنے قتل کرایا ہے۔ اس نے ابن جبیرؒ کو جو اجل تابعین میں سے ہیں اور بہت بڑے علامہ ہیں گرفتار کر بلایا۔ پھر ان سے ایک سوال کیا کہ میں کیسا ہوں؟ انہوں نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ "انتَ قاسط عادلٌ"۔

تو اس نے لوگوں سے کہا جانتے ہو اس نے مجھے کیا کہا۔ کہا کہ نہیں۔ کہا کہ مجھے کہا کہ تم کافر اور ظالم ہو۔ کہا کیسے؟ کہنے لگا کہ انہوں نے مجھے "قاسطٌ" کہا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ واما القاسطون فکانوا لجہنم حطبا۔ تو یہاں "قاسط" ظالم کے معنیٰ میں ہے، اور انہوں نے مجھے عادل کہا ہے اور عادل کافر کے معنیٰ میں لیا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے: "واما الذین کفروا بربہم یعدلون" جو کافر لوگ ہیں وہ (دوسروں کو) رب کے برابر ٹھہراتے ہیں۔

تو انہوں نے عادل کہہ کر مجھے مشرک کہا ہے (عادل عدل سے ماخوذ ہے۔ جانور کے بوجھ کی ایک جانب جو دوسری جانب کے مساوی ہو) بہرحال اس نے انکو قتل کرا ڈالا۔ خیر آخر ان کو شہادت

نصیب ہوئی۔

اس لفظ پر ائمہ لغت نے جو تحقیق کی ہے، بہتر تحقیق امام راغب کی ہے۔ (صاحب مفردات کی) وہ کہتے ہیں کہ قِسط عربی زبان میں النصیب والحظ۔ نصیب اور حصے کو کہا جاتا ہے اور قاسط ظالم کے معنیٰ میں کیوں ہے؟ قاسط کس کو کہتے ہیں؟ قاسط اسے کہتے ہیں کہ من یأخذ نصیب غیرہ جو غیر کا حصہ لے اور مقسط منصف کو کیوں کہتے ہیں اور عادل کو کیوں کہتے ہیں؟ اس لئے کہ وہ ایسا ہوتا ہے کہ من یعطی غیرہ نصیبہ جو غیر کو اس کا حصہ دے۔ تو اس صورت میں معنیٰ ایک ہوئے اور دونوں جگہ حاوی ہو گئے۔ خوب سمجھ لو۔ مجاہد نے فرمایا کہ رومی زبان میں "قسطاس" ترازو کو کہتے ہیں۔ روم تو اٹلی کا دار الخلافہ ہے تو گویا اٹلی کی زبان اٹالین کا لفظ بھی قرآن میں آیا ہے، مجاہد کے قول کے مطابق بعض اور بھی غیر عربی الفاظ قرآنِ پاک کے اندر موجود ہیں۔ یہ مسئلہ ہے معربات کا، اور تفصیل طلب ہے۔ معربات کے بارے میں جدا کتابیں لکھی گئی ہیں۔ میں صرف اختصار کے ساتھ اسے یہاں ذکر کرتا ہوں اس بارے میں جو مجھے مل سکے ہیں وہ تین اقوال ہیں۔

جمہور کا قول تو یہ ہے کہ قرآن میں معربات ہیں، یعنی غیر عربی زبان کے کچھ الفاظ قرآن میں آتے ہیں اور وہ قرآن میں شامل ہونے کے بعد اب عجمی نہیں رہے، عربی ہوئے اور معربات کہلائے۔ ان میں سے یہ قسطاس بھی ہے یا سجیل بھی ہے جو سنگِ گِل کا معرب ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اور سراویل لفظ بھی اسی قبیل سے ہے۔ علیٰ ہذا القیاس، لیکن دوسرے علماء کہتے ہیں کہ سارے قرآن میں ایک لفظ بھی غیر عربی نہیں، کیونکہ ظاہر ہے کہ قرآن بلسان عربی مبین آیا ہے۔ (اگرچہ بلسان عربی مبین میں یہ گنجائش ہے کہ اگر آدمی ساری تقریر اردو میں کرے ایک دو لفظ عربی کے آجائیں تو اسے بلسان ہندی کہنا درست ہے) لیکن بعض علماء کی رائے یعنی قولِ دوم یہ ہے کہ قرآن میں کوئی معرب نہیں ہے۔ یہ قول ہے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام ابنِ جریر کا ابو بکر باقلانی کا تو امام شافعی امام ابن جریر اور ابو بکر باقلانی صاحب اعجاز القرآن ان کی رائے یہ ہے کہ تمام قرآن پاک میں غیر عربی لفظ کوئی نہیں۔ اب اس پر دو شبہے وارد ہوتے تھے، امام شافعی نے کتاب الرسالۃ میں دونوں شبہوں کا جواب دیدیا ہے۔ ایک شبہ تو یہ ہے کہ اگر سارے الفاظ عربی تھے تو بعض الفاظ کا عربی دانوں سے سوال ہوا اور جواب نہ دیا، چنانچہ ابو بکر صدیقؓ سے ابًّا کے لفظ کا معنیٰ پوچھا گیا۔ کہ ابًّا کے کیا معنیٰ ہیں۔ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔

اَنَّا صَبَبْنَا الْمَاءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا۔ فَاَنْبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا وَّعِنَبًا وَّ قَضْبًا وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا وَّحَدَائِقَ غُلْبًا وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا۔ تو ابوبکر صدیق صدیق تھے۔ ہم جیسے مولوی نہ تھے، ورنہ ملاں آں باشد کہ چپ نہ شود۔ کہ اَبّ کے معنی کر لیتے (ابًا کے معنی گھاس کے لغویین نے کئے ہیں۔ دوسرا معنیٰ یہ کہ گھاس بھی مطلق نہیں۔ جو بار بار کاٹی جائے وہ مراد ہے۔ بعض گھاس ایسی ہے کہ ایک بار کاٹے پھر اُگے۔ رشقہ اور اس قسم کی گھاس) تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اٹھنے لگے اور اس کے بعد فرمایا "صدق اللہ تعالیٰ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا" اللہ وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، مجھے پتہ نہیں کہ کیا معنیٰ ہیں؟ یہ بزرگی کی نشانی ہے کہ جلدی سے کہا کہ مجھے پتہ نہیں۔ اور میرے خیال میں عالم عالِم ہو کر جن مسائل کے متعلق کہے کہ پتہ نہیں، وہ چومنے کے قابل ہے، وہ صحیح عالم ہے اس سے خوفِ خدا نے یہ فقرہ کہلوایا ہے۔ تو اگر کہا جائے کہ بعض حضرات نے ان عربی الفاظ قرآن سے لاعلمی ظاہر کی تو معلوم ہوا کہ اور زبان کا لفظ ہے۔ اگر عربی کا لفظ ہوتا تو لاعلمی کیوں ظاہر کرتے۔ تو اسکے جواب میں رسالہ میں لکھتے ہیں کہ لا یحیط باللغۃ غیر نبی۔ کہ نبی کے سوا پوری لغت پر کسی کا احاطہ نہیں ہوتا ہے۔ اگر کسی نے لاعلمی ظاہر کی تو اس لفظ کو اس زبان کا ہونے سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔ کیا پنجابی کو ہر پنجابی لفظ کے معنیٰ معلوم ہیں؟ اردو والوں کو اردو کے ہر لفظ کے معنی معلوم ہیں؟ ڈکشنری دیکھتے ہیں، اسی طرح پشتو زبان اور دوسری زبانیں۔ ہر زبان کی جمیع لغات کسی کو معلوم نہیں ہوتیں۔

اور دوسرا سوال یہ وارد ہوتا ہے کہ اگر معربات قرآن میں نہیں تو جو لفظ قرآن میں ہیں وہ اور زبانوں میں کیسے آئے۔ معلوم ہوا کہ ان زبانوں کا لفظ قرآن میں آیا ہوگا تو اس کا جواب امام شافعیؒ نے یہ دیا اور اسی طرح ابن جریر اور ابوبکر باقلانی نے کہ ھذا من قبیل توارد اللغات، یہ لغات کا توارد ہوتا ہے۔ ایک نے بھی ایک لفظ ایک معنیٰ کے لئے رکھا۔ اتفاقاً دوسری زبان والوں نے بھی رکھ لیا۔ یہ جواب وسوال سمیت قولِ دوم بیان ہو گیا۔

اور سوم قول یہ ہے کہ یہ غیر زبان کے الفاظ ہیں، لیکن ان کو درست کر کے قرآن نے اپنے اندر سمو دیا۔ تو قبل التعریب وہ عجمی تھے اور بعد التعریب وہ عربی ہو گئے۔ یہ گویا — ابنِ سلام کا قول ہے اور بعض لوگ اسکو ترجیح دیتے ہیں۔ واللہ سبحانہ اعلم۔

جاری ہے

★

آخری قسط

فتنوں کی سرکوبی

اُولٰئِکَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ

"خلافت وملوکیت" کے جواب میں!

شیخ الحدیث حضرۃ مولانا سیّد محمّد میاں ادام اللہ معالیھم

خاتمۂ کلام

خلافتِ راشدہ سے ملوکیت کیوں اور کس طرح ؟

مودودی صاحب کی اس تصنیف کا آخری عنوان ہے ۔ خاتمۂ کلام، صفحہ ۳۴۸، اس عنوان کے تحت آپ فرماتے ہیں :-

اس بحث کو ختم کرنے سے پہلے میں معترض حضرات سے گذارش کرتا ہوں کہ اگر ان کے نزدیک میرا استدلال اور وہ مواد جس پر استدلال مبنی ہے اور وہ نتائج جو میں نے اس استدلال سے اخذ کئے ہیں سب کچھ غلط ہے، تو بخوشی اس کی نفی کر دیں، مگر صرف نفی کر دینے سے کام نہیں چل سکتا۔ ان کو خود مثبت طریقے سے صاف صاف یہ بتا دینا چاہیئے کہ :

۱- قرآن وسنت کی رو سے اسلامی ریاست کے قواعد اور اسلامی اصولِ حکمرانی فی الواقع کیا ہیں ؟

۲- خلافت راشدہ کی وہ اصل خصوصیات کیا ہیں، جن کی بناء پر وہ خلافت علیٰ منہاج النبوت قرار دی جاتی ہے ؟

۳- اس خلافت کے بعد مسلمانوں میں ملوکیت آئی یا نہیں؟

۴ - اگر آپ کا دعویٰ یہ ہے کہ ملوکیت نہیں آئی ، تو کیا بعد کی حکومتوں میں خلافت علیٰ منہاج النبوت کی خصوصیات موجود تھیں ؟

۵ - اگر آپ مانتے ہیں کہ ملوکیت آگئی ، تو وہ کن اسباب سے کس طرح آئی ؟

۶ - کس مرحلے پر آپ یہ کہیں گے کہ خلافت کی جگہ ملوکیت نے لے لی ۔

۷ - خلافتِ راشدہ اور اس ملوکیت میں وجوہ امتیاز کیا ہیں ۔ اور ایک کی جگہ دوسری کے آنے سے فی الواقع فرق کیا واقع ہوا ؟

۸ - کیا اسلام میں خلافت اور ملوکیت دونوں یکساں ہیں ۔ یا ان میں سے ایک نظام اس کی نگاہ میں مطلوب ہے اور دوسرا نظام صرف ایسی صورت میں قابلِ برداشت ہے جبکہ اس کو تبدیل کرنے کی کوشش زیادہ بڑے فتنے کی موجب نظر آتی ہو ؟

مودودی صاحب کے چیلنج کا جواب

——— مودودی صاحب نے خاتمہ کلام میں یہ سوالات کئے ہیں ۔

ان کا جواب دینے سے پہلے ہم ایک سوال مودودی صاحب سے کرتے ہیں کہ آپ کا خطاب کس سے ہے ۔ جہاں تک ہمارا علم ہے وہ معترض صاحبان جن سے آپ یہ سوالات کر رہے ہیں ۔ حضرت امام ابو حنیفہ کے ماننے والے حنفی المسلک ہیں ۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے متعلق آپ خود فرما چکے ہیں کہ ان کا مسلک یہ ہے کہ سب سے پہلے خلیفہ ابوبکرؓ ، پھر عمر فاروقؓ ، پھر عثمان غنیؓ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم اور یہ خلفاء راشدین ائمہ مہدیّین ہیں ۔ (خلافت و ملوکیت ص ۲۲۲)

پھر سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق آپ فرما چکے ہیں :-

"حافظ ابن کثیر کے بقول سنت بھی یہی ہے کہ ان کو خلیفہ کے بجائے بادشاہ کہا جائے ، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ میرے بعد خلافت تیس سال رہے گی ۔ پھر بادشاہی ہو گی ۔ اور یہ مدت ربیع الاول ۴۱ھ میں ختم ہو گئی ۔ جب کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبردار ہو گئے ۔"

(خلافت و ملوکیت ص ۱۴۸)

نیز آپ فرما چکے ہیں کہ خلافت کے متعلق امام ابو حنیفہ کی رائے یہ تھی کہ :-

"پہلے بزور اقتدار پر قبضہ کرنا اور بعد میں دباؤ کے تحت بیعت لینا اس کے انعقاد کی جائز صورت نہیں ہے، صحیح خلافت وہ ہے جو اہل رائے لوگوں کے اجتماع اور مشورے سے قائم ہو" (خلافت و ملوکیت ص ۲۴۹)

علاوہ ازیں آپ نے ایک عنوان قائم کیا ہے :-

"خلافت اور اس کے متعلق مسائل میں امام ابو حنیفہ کا مسلک" ص ۲۴۷ -

اس عنوان کے تحت آپ نے امام صاحب کا جو مسلک بیان کیا ہے، اس سے خلافت راشدہ کی خصوصیات، نیز خلافتِ راشدہ اور ملوکیت کے درمیان وجوہِ امتیاز کی وضاحت ہو جاتی ہے۔ یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام میں خلافت اور ملوکیت ایک نہیں۔ خلافت اصل ہے اور ملوکیت بدرجۂ مجبوری۔ کہ اگر بغاوت کی جائے تو امت کو خطرات عظیمہ برداشت کرنے پڑیں۔

ان وضاحتوں کے بعد بھی کسی حنفی المسلک (اور دیگر ائمہ کے متبعین بھی ان مسائل میں احناف سے متفق ہی ہیں) کے سامنے یہ سوالات رکھنا طول لاطائل اور خلط مبحث ہے۔ ممکن ہے کوئی سادہ لوح ان سوالات سے مرعوب ہو جائے اور بہت ممکن ہے آپ کا منشاء بھی یہی ہو کہ اس طرح مرعوب کر کے آپ ان الزامات کو صحیح تسلیم کرالیں جو آپ نے خلیفۂ مظلوم سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر لگائے ہیں۔

بہر حال ہر سنجیدہ شخص یہی فیصلہ کرے گا کہ یہ سوالات بے معنی ہیں۔ ہاں سوال ۵ یقیناً قابلِ غور ہے کیونکہ اس سوال کا جواب آپ یہ دیتے ہیں کہ ملوکیت اس لئے آئی کہ :-

(ا) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پے درپے اپنے رشتہ داروں کو بڑے بڑے اہم عہدے عطاء کئے۔ اور ان کے ساتھ دوسری رعایات ایسی کیں، جو عام طور پر لوگوں میں ہدفِ اعتراض بن کر رہیں۔ (خلافت و ملوکیت ص ۱۰۶)

(ب) اس کا نتیجہ آخر کار وہی ہوا۔ ان کے خلاف شورش برپا ہوئی اور صرف یہی نہیں کہ وہ خود شہید ہو گئے بلکہ قبائلیت کی دبی چنگاریاں پھر سلگ اٹھیں جن کا شعلہ خلافتِ راشدہ کے نظام کو ہی پھونک کر رہا۔ (ایضاً ص ۱۰۰)

(ج) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس صوبے (شام) کی حکومت پر اتنی طویل مدت تک رکھے گئے کہ انہوں نے اپنی جڑیں پوری طرح جمالیں اور مرکز کے قابو میں نہ رہے بلکہ مرکز ان

کے رحم وکرم پر منحصر ہوگیا۔　　　(ص ۱۱۵)

(د) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں چار سال سے دمشق کی ولایت پر مامور چلے آرہے تھے۔ حضرت عثمان نے ایلیہ سے سرحد روم تک اور الجزیرہ سے ساحل بحر ابیض تک کا پورا علاقہ ان کی ولایت میں جمع کر کے اپنے پورے زمانہ خلافت (بارہ سال) ان کو اسی صوبہ پر برقرار رکھا۔ یہی چیز ہے جس کا خمیازہ آخر کار حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھگتنا پڑا۔　　　(ص ۱۱۵)

یہ بندہ ضعیف اپنی سابق طویل تحریر میں خود ان مؤرخین اور ان کتب تاریخ کے حوالوں سے جن کو مودودی صاحب مستند ترین مورخ اور مستند ترین کتب تاریخ مانتے ہیں، ثابت کر چکا ہے کہ یہ تمام الزامات غلط ہیں، خلیفہ شہید ومظلوم سیدنا حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ پر افترا ہیں بہتان ہیں۔

لیکن جبکہ یہ ایک ناقابلِ انکار واقعہ ہے کہ خلافت راشدہ ختم ہوئی اور اس کی جگہ ملوکیت آئی — اور مودودی صاحب کی یہ بات بھی تسلیم ہے کہ صرف نفی کر دینے سے کام نہیں چل سکتا۔ اس انقلاب کی کوئی مثبت وجہ بیان کرنی چاہیئے۔ تو ہمارے سامنے سب سے پہلے ایک تنقیح آتی ہے۔ کہ وہ تغیرات جو قوموں اور جماعتوں کے حالات اور اطوار میں ماحول کے تقاضوں کے بموجب قدرتی طور پر ہوتے رہتے ہیں، ان تغیرات کے پیشِ نظر قدرتی اور طبعی بات یہ تھی کہ خلافت راشدہ ختم ہو اور ملوکیت اسکی جگہ لے۔ یا ملوکیت کا خاتمہ ہمیشہ کے لئے ہوگیا تھا؟ ایسے حالات اور ایسے تغیر کا بھی امکان نہیں رہا تھا کہ "ملوکیت" آسکے۔ پھر کسی صاحبِ اقتدار کی غلط کاری نے اس چیز کو زندہ کر دیا۔ جو ہمیشہ کے لئے فنا کے گھاٹ اتر چکی تھی۔

اس کا جواب ہم کسی صاحبِ منطق یا کسی مدعی فہم ودانش سے نہیں مانگتے بلکہ اس کے جواب کے لئے اس ذات اقدس کے اقوال کا مطالعہ کرتے ہیں، جس نے اپنی شان یہ بیان فرمائی تھی۔ اوتیت علم الاولین والاخرین ۔ یعنی جس کو ماضی اور مستقبل کے تمام ربانیین اور اہل اللہ کا علم عطا کر دیا گیا تھا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور جس نے ان تمام فتنوں کو بیان کر دیا تھا جن میں اس کی امت مبتلا ہونے والی تھی۔

ان کے دو ارشاد ہمارے سامنے آتے ہیں جو کتب احادیث میں دائر وسائر ہیں اور جن کو تلقی بالقبول بھی حاصل ہے، گویا ان کی صحت پر امت کا اجماع واتفاق ہوگیا ہے کہ یہ اقوال فی الواقع ارشاد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کسی وضع یا اختراع کو ان میں دخل نہیں ہے۔ (پہلا ارشاد) خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم۔ ثم الذین یلونھم (صحاح) سب سے بہتر دَور، میرا دَور ہے۔ پھر اس کے بعد کا، پھر اس کے بعد کا۔

(دوسرا ارشاد) الخلافۃ فی امتی ثلاثون سنۃ ثم ملک بعد ذلک (ترمذی شریف ج ۲ - ص ۴۵)
خلافت میری امت میں تیس سال رہے گی۔ پھر اس کے بعد ملوکیت ہو جائے گی۔

ان ارشادوں میں دونوں سوالوں کا جواب موجود ہے کہ ملوکیت کا خاتمہ ہمیشہ کے لئے نہیں ہوا۔ اس کا سلسلہ ماضی کی طرح مستقبل میں بھی رہے گا۔ صرف تیس سال کا دَور اس سے مستثنٰی ہے۔ اس دَور میں بھی خیر تنزل پذیر رہے گا۔ اور تنزل کی رفتار یہ ہوگی کہ وہ رشد جو خلیفہ کو خلیفہ راشد قرار دے سکے تیس سال تک باقی رہے گا۔ تیس سال بعد یا سرے سے رشد ہی نہیں رہیگا یا رہیگا تو اس درجہ کا نہیں کہ صاحبِ اقتدار کو خلیفہ راشد قرار دے سکے۔ بہت سے بہت اس درجہ کا رہے گا کہ صاحبِ اقتدار کو ملک راشد یا ملک عادل قرار دیدے۔

وجہ اور باعث | یہ دونوں ارشاد صاحبِ ایمان کو عقیدہ کی حد تک مطمئن کرنے کے لئے کافی ہیں۔ لیکن استدلالی اور منطقی شخص کی "کیوں" پھر بھی باقی رہتی ہے۔

مصر کے مشہور صاحبِ قلم "الاستاد عباس محمود العقاد" دَورِ حاضر کے جلیل القدر فاضل ہیں۔ آپ نے نہایت فصیح و بلیغ عبارت میں جو جواب اس "کیوں" کا دیا ہے، ہم اس کا خلاصہ یہاں نقل کرتے ہیں۔ اس جواب کی خوبی یہ ہے کہ مودودی صاحب کے جواب کی طرح خوارج یا روافض کے اختراع کردہ الزامات پر نہیں بلکہ یہ جواب آیات کتاب اللہ اور احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارات پر مبنی ہے اور حقیقت کا آئینہ دار ہے۔ عقاد صاحب فرماتے ہیں:۔

یہ تبدیلی کہ خلافت راشدہ کے بعد ملوکیت آئی، لوگ اس کو بھی انقلاب کہتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ انقلاب نہیں بلکہ ایک عظیم ترین انقلاب کا ردِ عمل تھا۔

دعوت نبویہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) نے قوم عرب کو روحانی کمالات اور اخلاق و کردار کی اس غیر معمولی بلندی پر پہنچا دیا تھا کہ نوع بشر میں یہ طاقت نہیں کہ وہ اس بلندی پر

باقی رہ سکے۔

سید الکونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے انفاس قدسیہ کا مہر تاباں اور شمس منیر جب تک درخشاں تھا، اُمت عربیہ کے اخلاق و کردار کی سطح بلندی کی سب سے اُونچی چوٹی پر قائم رہی اور جب یہ آفتاب افق سے اوجھل ہوا تو لامحالہ اس بلندی میں تنزل شروع ہو گیا (یہ انقلاب نہیں تھا بلکہ انقلاب کا ردِّ عمل تھا)

دعوتِ نبویہ کی برکات میں سے ایک برکت یہ تھی کہ امت عربیہ کی اقتصادی بدحالی دُور ہوتی رفاہیت اور خوشحالی میسر آئی (جو عموماً روحانی کمالات اور اخلاق و کردار کو رو بتنزل کر دیتی ہے) لیکن اگر یہ رفاہیت اور خوشحالی نہ آتی اور امت عربیہ اسی طرح اقتصادی مشکلات میں مبتلا۔ تباہ و شکستہ حال رہتی، تب بھی نفوس بشریہ میں طاقت نہیں تھی کہ وہ اس بلندی پر قائم رہ سکے۔ (العبقریۃ الاسلامیہ - ص ۸۳۰، ۸۳۱)

عقاد صاحب کا منشاء سمجھنے کے لئے ایک مثال ملاحظہ فرمائیے :-

ایک بے ڈول کچی عمارت ہے - جس کے اوپر کھجور کے پٹھوں کی چھت ہے - اس کو آپ چھپر بھی کہہ سکتے ہیں، کیونکہ وہ ڈھلواں ہے - نیچے کنکریوں کا فرش ہے - کوئی آرائش یا آراستگی نہیں - یہاں تک کہ فرش پر چٹائیاں بھی باقاعدہ نہیں ہیں - اسی سادہ اور بے ڈھنگی عمارت میں کنکریوں کے فرش پر ایک سن رسیدہ آدمی بیٹھا ہے - کپڑے اگرچہ میلے نہیں مگر شاندار بھی نہیں - کہیں سے پھٹے ہوئے ہیں - کہیں سے پیوند لگے ہوئے ہیں - اسی لباس میں یہ شخص خدا پرست اور بے لوث سچے، سادہ اور دلیر انسان کی تمکنت کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے - چہرے سے خدا پرستی کی علامتوں کے ساتھ خلق خدا سے استغناء اور بے نیازی کی وہ شان نمایاں ہے - جو بڑے بڑے شاہنشاہوں اور بادشاہوں کو نصیب نہیں - آنکھوں میں خمار ہے، مگر خلق خدا کی ہمدردی، کمزوروں کی محبت اور مظلوموں کی مددگاری کا خمار لکے برابر میں ایک دُرّہ رکھا ہوا ہے - آس پاس اسی طرح کے کچھ سادہ اور بے لوث انسان فداکاری کے جذبات کو اپنا شعار بنائے بیٹھے ہیں - ایک اور صاحب آتے ہیں، سادہ وضع مگر چہرے پر رعب داب اور بہادرانہ شان و شوکت - انداز اگرچہ شاہانہ نہیں ہے، مگر قبیلہ کے ایک ایسے شیخ کا انداز ہے جو اپنے حلقہ میں بادشاہ کی حیثیت رکھتا ہے - یہ صاحب ایک دُور دراز علاقے سے آرہے ہیں، عراق سے یا مصر سے یا شام سے - وہاں کی حکومت جو شاہانہ عظمت کے ساتھ

اس علاقہ میں صدہا سال سے قائم تھی۔ بے شمار خزانوں کی مالک اور عظیم الشان قلعے اس کے زیرِ نگیں تھے، جس کو اپنی عظمت اور فوجوں کی شجاعت و بہادری پر ناز تھا۔ ان صاحب نے وہاں ایک انقلاب برپا کیا۔ ان جیسے مجاہدین کی جماعت ان کے زیرِ قیادت تھی۔ یہ اس کے سپہ سالار تھے۔ انہوں نے وہاں نہایت خوفناک اور بہادر حکومت کے مقابلہ پر ایسی شجاعت، جنگی مہارت اور ایسے حوصلہ کا مظاہرہ کیا جو ایک فاتح کر سکتا ہے۔ فاتح جو عظیم الشان فاتح ہو۔ انہوں نے صرف فوجوں کو شکست نہیں دی بلکہ اس علاقہ کے ان بڑے بڑے خاندانوں کو جو عظیم ترین تاریخی روایات کے حامل تھے، اس طرح سرنگوں کیا کہ ان کی ساری عظمتیں ختم ہو گئیں، رؤساء، فقیر اور امراء، غلام، اور ان کی خواتین باندیاں بن گئیں۔

یہ باعظمت اور باشوکت فاتح اس گلیم پوش کے سامنے جو چھپر کے نیچے کنکریوں کے فرش پر بیٹھا ہے اس طرح حاضر ہوتا ہے جیسے ایک شاگرد استاد کے سامنے، وہ گلیم پوش اس فاتح اعظم سے سوالات کر رہا ہے۔ فوجی نظم و نسق کیا رہا؟ مالِ غنیمت کتنا حاصل ہوا؟ کس طرح تقسیم کیا گیا؟ مفتوحہ علاقہ کا کیا انتظام کیا گیا؟ کیا وہاں کے باشندوں سے کوئی معاہدہ کیا گیا؟ معاہدہ کی شرائط کیا ہیں؟ کیا ان پر صحیح صحیح عمل ہوا؟ یہ ثابت کرو کہ جو مطالبات ان پر ڈالے گئے وہ ان کی طاقت و استطاعت سے زائد نہیں ہیں۔ تم نے یہ کثیر رقم بیت المال کے لئے بھیجدی۔ تم نے اس کے وصول کرنے میں دباؤ سے کام لیا ہے؟

اس طرح کے سوالات ایک گلیم پوش درویش کر رہا ہے اور یہ فاتح جو افواج اسلام کا قائد اعظم ہے ہر ایک سوال کا صحیح صحیح جواب اس طرح دے رہا ہے کہ اس کے دل پر ہیبت طاری ہے کہ غلطی کی سزا دُرّہ ہو گی۔

یہ گلیم پوش درویش کون ہے۔ یہ ہیں عمر بن الخطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خلیفۂ دوم۔ یہ قائدِ افواج فاتح فیلڈ مارشل جو میدانِ جہاد میں وہ کارنامے انجام دے چکے ہیں جن کی نظیر تاریخ میں نہیں، کون ہیں؟ یہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں۔ جن کو دنیا ہی میں جنت کی بشارت مل چکی ہے۔ جن کا شمار عشرہ مبشرہ میں سے ہوتا ہے۔ جو السابقین الاولین میں ہیں۔ جنہوں نے اپنی زندگی اسلام و ایمان کے لئے تج دی ہے۔

مقامِ غور ہے۔ یہ گلیم پوش درویش کس بلند کردار کا مالک ہو گا کہ دُرّہ ہاتھ میں لئے ہوئے ان سے محاسبہ کر رہا ہے جو اخلاص و للّٰہیت، اللہ اور اس کے رسول کی محبت، ترقی اسلام کے لئے جانفشانی اور فداکاری میں وہ شان رکھتے ہیں کہ وحی الٰہی بھی اس کی مدح خواں ہے اور[1] رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کی بشارت

---

[1] السابقون الاولون (تا) رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ (سورۃ ۹ (توبہ) آیت ۱۰۰)

دے رہی ہے ۔ اور یہ اکابرِ دین ، اساطین امت اس کے محاسبہ سے خائف ہیں ۔ اور اسکو اس احتساب کا مستحق سمجھتے ہیں ، کیونکہ اس کا کردار حرف گیری سے بلند ہے ۔ غور فرمائیے کیا بشر میں اتنی طاقت ہے کہ وہ اس بلندی کو حاصل کر سکے ۔

یہ شان ہے خلیفۂ دوم کی جس کا دور اگرچہ خیر القرون ہے مگر تیسرے نمبر پر ہے ۔ غور فرمایئے کیا شان ہوگی دَورِ اوّل اور دورِ دوم کی ۔ ظاہر ہے یہ سب طاقت بشری سے بالا صرف عطاء خداوندی اور انعامِ ربّانی ہیں ۔

خلیفۂ رابع سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب آفتابِ نیم روز ہیں ۔ باجماع امت آپ امام الاتقیاء ہیں ۔ سلوک و طریقت کے سلسلے زیادہ تر آپ ہی سے وابستہ ہیں ۔ آپ ان کے مرکز و منبع اور قطب ارشاد ہیں ۔ آپ مدینۃ العلم کے باب ہیں ۔ مدینۃ العلم (سیدنا رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم) لانظیر ولاثانی ہے تو اس کا باب بھی لانظیر ولاثانی ۔ لہٰذا بحیثیت خلیفہ آپ کا کردار بھی لانظیر ولاثانی ۔ طاقت بشر سے بالا ، صرف انعام خداوندی ۔

باقی رہے خلیفۂ سوم ذی النورین سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ، جن کے متعلق مودودی صاحب فرماتے ہیں کہ "معیارِ مطلوب کو قائم نہ رکھ سکے ۔" ان کے متعلق مودودی صاحب کا ارشاد یہ بھی ہے :-

> واقعہ یہ ہے کہ اس ایک پہلو کو چھوڑ کر باقی جملہ پہلوؤں سے ان کا کردار بحیثیت خلیفہ مثالی تھا جس پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں ۔ (ص ۱۱۶)

یہ ایک پہلو تو مودودی صاحب کا مفروضہ ہے ۔ جس کی غلطی وضاحت سے ثابت کی جاچکی ہے اور خود مودودی صاحب کی تحریر سے ثابت ہے کہ آپ کا یہ مثالی کردار بھی ایسا تھا جو خلافتِ راشدہ کو ملوکیت سے ممتاز کرتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ طاقت بشر سے بالا صرف تائید خداوندی ہے ۔

مدینہ طیبہ پر بلوائیوں نے ہجوم کیا تو اہل مدینہ نے کوئی جواب نہیں دیا ۔ ان کی باغیانہ حرکتوں کو برداشت کرتے رہے ۔ ان کی خاموشی کی وجہ بیان کرتے ہوئے مودودی صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

> سب سے بڑھ کر یہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خود اس امر میں مانع تھے کہ ان کے اقتدار کو بچانے کے لئے مدینۃ الرسول میں مسلمان ایک دوسرے سے لڑیں ۔ وہ تمام صوبوں سے فوجیں بلا کر محاصرین کی تکہ بوٹی کرا سکتے تھے ۔ مگر انہوں نے اس سے پرہیز کیا ۔ حضرت زید

ابن ثابت نے ان سے کہا کہ تمام انصار آپکی حمایت میں لڑنے کو تیار ہیں، مگر انہوں نے فرمایا۔ "اما القتال فلا"۔

حضرت ابوہریرہ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے بھی انہوں نے کہا کہ میں لڑنے کو تیار نہیں ہوں۔

ان کے محل میں سات سو آدمی لڑنے مرنے کے لئے موجود تھے، مگر انہیں بھی وہ آخر وقت تک روکتے رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس انتہائی نازک موقع پر حضرت عثمان نے وہ طرزِ عمل اختیار کیا جو ایک خلیفہ اور ایک بادشاہ کے فرق کو صاف صاف نمایاں کر کے رکھ دیتا ہے۔ انکی جگہ کوئی بادشاہ ہوتا تو اپنے اقتدار کو بچانے کے لئے کوئی بازی کھیل جانے میں بھی اسے باک نہ ہوتا اس کی طرف سے اگر مدینہ کی اینٹ سے اینٹ بج جاتی، انصار و مہاجرین کا قتل عام ہو جاتا، ازواج مطہرات کی توہین ہوتی اور مسجد نبوی بھی مسمار ہو جاتی تو وہ کوئی پرواہ نہ کرتا۔ مگر وہ خلیفہ راشد تھے انہوں نے سخت سے سخت لمحوں میں بھی اس بات کو ملحوظ رکھا کہ خدا ترس فرمانروا اپنے اقتدار کی حفاظت کے لئے کہاں تک جا سکتا ہے اور کس حد پر پہنچ کر اسے رُک جانا چاہیئے وہ اپنی جان دینے کو اس سے ہلکی چیز سمجھتے تھے کہ ان کی بدولت وہ حرمتیں پامال ہوں جو ایک مسلمان کو ہر چیز سے بڑھ کر عزیز ہونی چاہیئں"۔ (خلافت و ملوکیت ص ۱۲۰)

مودودی صاحب دوسرے موقع پر فرماتے ہیں:۔

سب سے زیادہ تنقیدوں سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سابقہ پیش آیا۔ اور انہوں نے کبھی کسی کا منہ زبردستی بند کرنے کی کوشش نہیں کی۔ بلکہ ہمیشہ اعتراضات اور تنقیدوں کے جواب میں برسرِ عام اپنی صفائی پیش کی"۔ (خلافت و ملوکیت ص ۱۰۱)

تنقید پر ضبط و تحمل کی عجیب و غریب شان ملاحظہ ہو:۔

مخالفین نے جو الزامات تراشے تھے سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ طیبہ کے ایک اجتماع عام میں جس میں مخالف موافق سب تھے ہر ایک کا واضح جواب دیا۔ ان جوابات کی تصدیق خود حاضرین سے کرائی۔ اور حاضرین کو یقین ہوگیا کہ یہ تمام الزامات باغیانہ سازش ہیں۔ تو اب عام مسلمانوں کا اصرار تھا کہ ان کو تہ تیغ کیا جائے۔ اور ان کے خلاف سیدنا حضرت عثمان رضی

اللہ عنہ کا پختہ فیصلہ عفو و درگذر کا تھا۔ وہ مضبوطی سے اسی فیصلہ پر قائم رہے۔ مورخ طبری کے الفاظ ملاحظہ فرمائیے۔ وابی المسلمون الاقتلھم۔ وابی الّا ترکھم (مسلمان ان کو قتل کر دینے کے سوا اور کسی بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اور حضرت عثمان درگذر کر دینے کے سوا اور کسی بات کے لئے آمادہ نہیں تھے۔ (طبری ص ۱۰۳۔ ج ۵)

بہرحال سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا وہ مثالی کردار جس کی ایک جھلک یہ ضبط و تحمل، یہ عفو و درگذر اور یہ تسلیم و رضا ہے۔ کیا کوئی ظرف ہے جو تائید خداوندی کے بغیر اس کی مثال پیش کر سکے۔ عقاد صاحب اسکو غیر معمولی رفعت و بلندی فرما رہے ہیں۔ جس کے زرّیں جھالہ تک قدرت انسانی کی انگلیاں نہیں پہنچ سکتیں۔

ابن خلدون کا جواب مورخ ابن خلدون نے اسی مفہوم[1] کو اس انداز میں ادا کیا ہے کہ تاریخ کا ایک فلسفہ بھی سامنے آجاتا ہے:۔

آپ فطرت انسان کو سامنے رکھ کر بحث کرتے ہیں کہ یہ نظام جن کو ملک یا حکومت کہتے ہیں اس کا تعلق انسان سے عارضی ہے یا مستقل، اس کا جواب خود اس کی ضرورت پر موقوف ہے کہ انسان کو حکومت و مملکت یا ملک کی ضرورت کیوں پیش آئی ہے۔ علاّمہ توجہ دلاتے ہیں کہ انسان کی فطرت اُنس ہے تنہائی انسان کے لئے موت ہے اور مل کر رہنا اس کی زندگی۔ اُنس کی طرح ارتقاء یعنی ترقی کرنا اور آگے بڑھنا بھی اس کی فطرت کے جوہر ہیں۔ انہیں اوصاف اور خصلتوں پر قدرتی طور سے عمل ہوا جس سے مدنیت کی بنیاد پڑی۔ مدنیت یعنی میل ملاپ اور امداد باہمی والی زندگی حقوق کو جنم دیتی ہے۔ جب حقوق کا دامن پھیلتا ہے تو فیصلہ کرنے والی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہی ہے حکم، حکومت۔ اسی کو ملک سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

یہ قابلِ لعنت نہیں بلکہ اہم ترین خدمت ہے، جس کو میسر آجائے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کا انعام و احسان ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اسی انعام کا شکر ادا کر رہے ہیں۔ کہ فرماتے ہیں:۔

رب قد اٰتیتنی من الملک (سورہ ۱۲ یوسف آیت ۱۰۱)

---

[1] مقدمہ ابن خلدون فصل ۲۸ فی انقلاب الخلافۃ الی الملک۔

سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام دعاء فرماتے ہیں کہ یہ نعمت ان کو ایسی بھرپور عطاء ہو جس کی نظیر دنیا میں نہ ہو۔

رب ھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی۔ — اے رب مجھے ایسا ملک عطاء فرما کہ میرے بعد کسی کو وہ میسر نہ آئے۔

لیکن ظاہر ہے ایک فرد تنہا اس نعمت عظمٰے کو سر کا تاج بنا کر اس کے فرائض انجام نہیں دے سکتا۔ اس کو مددگاروں کی ضرورت ہوتی ہے اور مددگار بھی ایسے کہ دانا اور جان نثار ہوں۔ مددگاروں کی ایسی حمایت جو جذبۂ فدائیت رکھتی ہو اس کو عصبیت کہا جاتا ہے۔

یہ عصبیت اگر اعلیٰ مقاصد کے لئے ہے تو بہت مبارک و مقدس ہے، لیکن اپنی برادری، اپنے قبیلے، اپنے رنگ و نسل کی برتری، فراوانیٔ دولت جیسے مقاصد اس عصبیت کے محرک ہوں تو یہ عصبیت ایک لعنت ہوتی ہے۔ اور اس کی بناء پر جو اقتدار حاصل ہو یا جو حکومت قائم ہو وہ سب جبر و قہر ہوتا ہے۔ لسانِ رسالت نے اس کو "ملک عضوض" کٹکھنی حکومت فرمایا ہے۔

مودودی صاحب کی نظر ان حقائق پر نہیں ہے، وہ آجکل کی رَو میں بہہ رہے ہیں کہ ملوکیت لعنت ہے۔ ہم یہاں اس بحث میں الجھنا نہیں چاہتے۔ ہمیں یہ واضح کرنا ہے کہ ملک اور حکومت نوع انسان کی فطرت کا تقاضا ہے جو بقائے انسانیت کے ساتھ باقی رہنے والا ہے اور جس طرح مدنیت لازمۂ فطرت ہے یہ بھی لازمۂ فطرت ہے، لیکن ایک دوسرا باب ہے۔ مکارم اخلاق اور انکی تکمیل کا یا روحانیت اور اس کے عروج کا۔

یہ کام اربابِ تاریخ یا اہلِ سیاست کا نہیں ہے کہ حقیقت انسان اور اس کے مقاصد اور کمالات پر بحث کرے، یہ کام ان دوربینان بارگاہ الست کا ہے جن کی بعثت اس لئے ہوتی ہے کہ انسان کو اس کی حقیقت اور مقصد پیدائش سے آگاہ کریں، انسان کا انجام کیا ہوگا، وہ ایک لافانی حقیقت ہے جو اس وقت ختم ہو جائے گی جب اس کی جان اس کے قالب سے جدا ہو گی، یا وہ ایک لازوال حقیقت ہے جس کا مستقبل غیر محدود ہے، وہ مستقبل کس طرح کامیاب اور خوشگوار ہوگا جو ہادیانِ برحق، رہنمایان حقیقت ان سوالات کا جواب دے سکتے ہیں، وہی بتا سکتے ہیں کہ سیاست کا کوئی رابطہ اخلاق، روحانیت اور انسان کے دائمی مستقبل کی کامیابی یا ناکامی سے ہے یا نہیں۔

مذہب کے ماننے والے مانتے ہیں کہ جس طرح تمدن نے ترقی کی، اخلاق اور روحانیت نے بھی ترقی کی ہے، مادّیات کی ترقی ابھی تک آخری نقطہ تک نہیں پہنچ سکی، لیکن فضلِ خداوندی نے یہ گوارا نہ کیا کہ انسان روحانی کمالِ ترقی کے میدان میں ناقص رہے اور وہ درجہ حاصل نہ کر سکے جو مقصدِ پیدائش کے لحاظ سے سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روحانیت اور اخلاق سے متعلق جو سب سے اعلیٰ تعلیم تھی وہ خاتم الانبیاء علیہ السلام کے ذریعہ سے نوعِ انسان کو عطا کر دی گئی اور اعلان کر دیا گیا۔ الیوم اکملت لکم دینکم۔

سید الانبیاء رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

بعثت من خیر قرون بنی آدم قرناً فقرناً حتی کنت من القرن الذی کنت منہ۔ (بخاری شریف)

ابنائے آدم کے تمام ادوار میں سے سب سے بہتر دَور میں میری بعثت ہوتی ہے۔ خیر (روحانی کمالات اور مکارم اخلاق) ترقی پذیر رہے۔ اگلا دَور پچھلے دَور سے بہتر ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ میں اس دَور میں مبعوث ہوا جس کا میں ہوں)

ہماری تحریر بالا اسی ارشاد کی روشنی میں ہے۔

ع من بندہ آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم

بہر حال علامہ ابن خلدون نے دقیق النظر محقق کی حیثیت سے یہ واضح کرتے ہوئے کہ ملک اور حکومت فطرتِ انسان کا تقاضا ہیں، یہ ظاہر کیا ہے کہ وہ خیر بھی ہے اور شر بھی۔ اس کے خیر کا نقطۂ عروج وہ ہے جس کو خلافت راشدہ کہا جاتا ہے اور جس طرح نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عروج کے آخری نقطہ پر پہنچی اور اب اس کا اعادہ ممکن نہیں۔ اسی طرح نظام سیاسی بھی آپ کے دور میں خیر کے بلند ترین درجہ پر پہنچا۔ پھر وہ دور جس کو خلافتِ راشدہ کہا جاتا ہے پَرتو تھا اسی عروج یافتہ دور کا۔ سلسلۂ نبوت کے ختم ہو جانے پر جس طرح دورِ نبوت کا اعادہ ممکن نہیں اسی طرح اس کے پرتو یعنی خلافت راشدہ کا اعادہ ممکن نہیں ہے۔

یہ پرتو یعنی خلافتِ راشدہ کا دورِ مقدس ایک مثال ہے نوعِ انسان کے سبق کے لئے۔

آپ سورۂ فتح کی آخری آیتیں مطالعہ فرمائیں تو معلوم ہو گا یہ دورِ مسعود صرف آنے والی نسلوں کے لئے نہیں بلکہ امم سابقہ کے لئے بھی بطور مثال پیش کیا گیا ہے اور تمثیل کے لئے مختلف تعبیریں[1] اختیار کی گئی ہیں۔

---

[1] مثلاً ذٰلک مثلھم فی التوراۃ ومثلھم فی الانجیل الخ (سورۂ فتح ۴۸ آیت ۲۹)

خلاصۂ بحث یہ کہ جس طرح دورِ نبوت ختم ہونے والا تھا اسی طرح خلافتِ راشدہ بھی ایک محدود المیعاد سعادت تھی۔ جس کی مدت آنحضرت ؐ نے تیس سال بیان فرمادی۔ (ترمذی شریف۔ ج ۲۔ ص ۴۵)

آیت استخلاف میں اس سعادت کا مقصد یہ بیان فرمایا گیا ہے۔

و لیمکنن دینھم الذی ارتضیٰ لھم (تاکہ جمادے ان کے دین کو جو پسند کیا ہے ان کے لئے)

واقفِ اسرارِ شریعت فیلسوفِ اسلام حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ العزیز اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

بیان علت غائیہ استخلاف ست۔ کما قال عزّ من قائل ذلك مثلھم فی التوراۃ و مثلھم فی الانجیل کزرعٍ اخرج شطئہٗ۔ گویا می فرماید۔ استخلاف برائے آں مطلوب شد کہ دین مرتضیٰ ممکن شود۔ واعلاء کلمۃ اللہ بظہور رسد و ظہور دین حق بر جمیع ادیان محقق گردد۔ (ازالۃ الخفاء ص ۲۱)

(ترجمہ) اس آیت میں خلافتِ راشدہ کی علت غایۃ اور اس کے غرض و مقصد کا بیان ہے جیسا کہ آیت مثلھم فی التوراۃ میں اس کی طرف اشارہ ہے۔ حاصل یہ ہے کہ خلافت راشدہ کا سلسلہ اس لئے مطلوب اور مقصود تھا کہ وہ دین جو اس وقت کے لئے پسند کیا گیا ہے، اس میں پوری طرح جماؤ اور استقلال و استحکام ہوجائے۔ اور کلمۃ اللہ کی بلندی ظاہر اور نمایاں چیز بن جائے اور باقی تمام دینوں پر دین حق کا غلبہ متحقق ہوجائے۔

اسی آیت کی تفسیر میں حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

تفسیر این آیت در حدیث آمدہ الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ (واللہ اعلم بالصواب)

اسباب خاتمہ اس تمام تفصیل و توضیح کے بعد بھی شاید مودودی صاحب کا کوئی مقلد جامد یہ سوال کر بیٹھے کہ اس عالم اسباب میں ہر ایک واقعہ اور حادثہ کا کوئی سبب ہوا کرتا ہے۔ پس خلافت راشدہ اگرچہ ازل سے محدود المیعاد تھی، تاہم عالم ظاہر میں اس کے خاتمہ کا سبب ہوگا۔ مودودی صاحب نے اسی سبب کو بیان فرمایا ہے۔ جواباً ہمیں تسلیم ہے کہ اس نعمت عظمےٰ کے خاتمہ کا بھی کوئی سبب ہونا چاہیئے۔ مگر ہم یہ تسلیم نہیں کریں گے کہ خود نعمت عظمےٰ اپنے خاتمہ کا سبب ہوئی۔

خلفائے راشدین خود نعمت ورنہ حاملین نعمت ہیں۔ پس سبب خاتمہ ان کا کردار نہیں ہوسکتا۔ اُن کے

لہ البتہ محکم کند برائے ایشاں دین ایشاں را کہ پسندیدہ است برائے ایشاں۔ (شاہ ولی اللہ ؒ)

کردار میں سبب خاتمہ کو تلاش کرنا ایسا ہی ہے کہ آفتاب نیمروز کی کرنوں میں آپ شب تاریک کی جھلکیاں تلاش کریں۔ بہتر ہو کہ آپ سببِ خاتمہ کی تحقیق اس سے کریں جس نے نعمت اور زوالِ نعمت کا فلسفہ بیان کیا ہے۔

یہ کتاب اللہ ہے۔ قرآن حکیم۔ تبیاناً لکل شیٔ۔ اس کا واضح اعلان ہے۔ ذلك بان اللّٰه لم یك مغیرا نعمة انعمها علی قوم حتی یغیروا ما بانفسهم۔ (سورہ انفال ۸ آیت ۵۳)

(اللہ تعالیٰ جو نعمت کسی قوم کو عطا فرما دیتا ہے اس میں تبدیلی نہیں کرتا۔ یہاں تک کہ وہ قوم خود اپنے آپ کو بدل لیتی ہے)

خلافت راشدہ جیسی نعمت عظمٰی کے زوال کا سبب مودودی صاحب خلیفہ سوم کے کردار میں تلاش کر رہے ہیں۔ اور قرآن حکیم کی ہدایت یہ ہے کہ خلیفہ اور امام میں نہیں، بلکہ جس قوم کے وہ خلیفہ اور امام ہیں ان کی حالت دیکھو، ان میں تو کوئی تبدیلی نہیں ہوئی؟ مودودی صاحب موضوع روایات کے پاتے چوبین سے جست لگا کر ایک سبب تلاش کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

اس تغیر کا آغاز ٹھیک اسی مقام سے ہوا جہاں سے اس کے رونما ہونے کا حضرت عمر کو اندیشہ تھا کہ ان کے جانشین اپنے قبیلے اور اپنے اقربا کے معاملہ میں اس پالیسی کو نہ بدل دیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے چلی آرہی تھی (ص ۱۰۵ و ص ۱۰۶)

سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اندیشہ اور جانشینوں پر اقربا پروری کا الزام تو موضوع روایات کے جنگل کی گھاس ہے۔ جس کی طرف التفات کرنا قوت التفات کو ضائع کرنا ہے، لیکن اگر کسی درجہ صحیح مان بھی لیا جائے تو احقر عرض کریگا کہ یہ بہت بعد کی بات ہے۔ یہ دَورِ عثمانی کی بات ہے۔ تغیر کا آغاز اس سے کئی سال پہلے ہو چکا ہے۔ واقعہ اور حقیقت یہ ہے کہ تغیر کا آغاز اس وقت ہوا جب تقویٰ کے مقابلہ میں طاقت کو ترجیح دی گئی اور زیادہ متقی کے بجائے چاق وچوبند اور — ماہرِ سیاسیات کو امیر اور والی منتخب کیا گیا۔

کوفہ کے حالات تفصیل سے پہلے لکھے جا چکے ہیں:۔

یاد کیجئے۔ اہل کوفہ نے کس طرح سیدنا حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے خلاف بے بنیاد شکایتوں کا طوفان برپا کیا۔ حتیٰ کہ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ان کو واپس بلا لیا۔ پھر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا تو اہل کوفہ نے کہہ دیا لانریدہ (ہم ان کو نہیں چاہتے) سیدنا

عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا نام سامنے آیا تو اہل کوفہ نے کہہ دیا لا یحسن السیاسۃ سیاست (ڈپلومیسی) نہیں جانتے۔

اب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پریشان تھے۔

کیف اھل الکوفۃ مائۃ الف لا یرضون عن امیر ولا یرضی عنھم امیر۔ (کیا کیا جائے۔ یہ اہل کوفہ ایک لاکھ ہیں نہ وہ کسی امیر سے راضی اور نہ کوئی امیر ان سے راضی)

ان تینوں بزرگوں کے نام تقویٰ کی بنیاد پر سامنے آئے تھے۔ اہل کوفہ نے سب کو مسترد کر دیا۔ اور جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے قوی و شدید، چاق و چوبند اور ماہر سیاست ہونے کی بناء پر حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو منتخب فرمایا۔ تو اہل کوفہ کی گردنیں جھک گئیں۔

(البدایہ والنہایہ ص ۱۲۵ و ۱۲۶ ج ۷)

اہل بصرہ نے سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے حق میں جو گستاخی کی، اس کی تفصیل بھی پہلے گزر چکی ہے۔ ان بدبختوں کا اصرار تھا کہ کسی کو امیر بنا دو ہمیں منظور ہے یہ اشعری بوڑھا ہمیں منظور نہیں۔ ہر شخص اس کا بدل ہو سکتا ہے۔ ہم اس اشعری کو برداشت نہیں کر سکتے۔

(تاریخ طبری ص ۵۵ ج ۵)

پہلے گزر چکا ہے کہ فرد واحد، ملک اور حکم، یعنی اقتدار اعلیٰ کے مطالبات پورے نہیں کر سکتا۔ اس کو ایسے اعوان اور مددگاروں کو ضرورت ہوتی ہے، جو اس اقتدار اعلیٰ کے بقاء کے لئے جذبۂ فدائیت اپنے اندر رکھتے ہوں۔ اسی کو عصبیت کہا جاتا ہے۔ یہ عصبیت اگر اعلیٰ مقاصد کے لئے ہو تو نہایت مقدس عصبیت ہے۔ خلافت راشدہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اُس کے اعوان و انصار میں یہ عصبیت "تقوے" کے لئے ہوتی ہے۔

قرآن حکیم نے یہ اصول مقرر فرما دیا۔ "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم"

سیدنا ابوبکر الصدیق کا انتخاب اسی اصول کی بنیاد پر ہوا۔ اس دور کے تمام رہنما وہ تھے کہ اتقی کو صاحب اقتدار بنانے کے لئے اپنے اندر جذبۂ فدائیت رکھتے تھے۔

وہی عمر بن الخطاب ہیں۔ ان کی تقریر سقیفہ بنی ساعدہ میں ہوتی ہے جس میں تقویٰ کے لحاظ سے سیدنا ابوبکر صدیق کی برتری بیان فرماتے ہیں کہ:۔

ارشاد ربانی ہے :- ثانی اثنین - اذ ھما فی الغار - اذ یقول لصاحبہ لا تحزن - ان اللہ معنا -

اس آیت سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تین فضیلتیں ثابت ہوتی ہیں :-

نازک ترین مقام پر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق رہے -

آپ کے لئے نص قرآنی میں "صاحب" کا لقب -

اللہ تعالیٰ کی معیت کی تصریح -

آپ یہ آیت پیش کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کون ہے جو ان فضائل کا حامل ہو - جملہ حاضرین کی گردنیں تسلیم کے لئے جھک جاتی ہیں اور ساتھ ہی بیعت کے لئے ہاتھ آگے بڑھ جاتے ہیں -

لیکن یہی عمر بن الخطاب اس موقع پر اسی قرآنی اصول پر کار فرما ہونا چاہتے ہیں - سیدنا ابو موسیٰ اشعری کا نام پیش فرماتے ہیں تو کہا جاتا ہے - لا نریدہ (ہم ان کو نہیں چاہتے) سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی سامنے لاتے ہیں تو کہا جاتا ہے (لا یحسن السیاسۃ) وہ ڈپلومیسی نہیں جانتے -

"ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا" -

تعجب ہے مودودی صاحب خوردبین لگا کر کردار خلیفہ میں تغیر تلاش کرتے ہیں - اور یہ کھلا ہوا تغیر ان کی نظر میں نہیں آتا، کیونکہ اس تغیر کے ذمہ وار وہ ہیں جن سے آپ کو خاص ہمدردی ہے - آپ نہیں چاہتے کہ وہ سامنے آئیں - مگر مودودی صاحب کے اخفاء سے کام نہیں چلتا - کارپردازان قضا و قدر کا کارخانہ برابر کار فرما رہتا ہے - ارشاد ربانی ہے :-

لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید　(سورہ ابراہیم ۱۴ آیت ۷)

اگر تم احسان شناس و شکر گزار رہے تو میں تم کو بڑھاؤں گا اور اگر تم نے ناسپاسی اور ناشکری کی تو یاد رکھو میرا عذاب سخت ہوتا ہے -

اہل کوفہ کے مذکورہ بالا واقعہ سے کچھ دنوں بعد سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو جامِ شہادت نوش کرا دیا گیا - یہ تغیر کا پہلا نتیجہ تھا جو اس امت کے سامنے آیا - جس کے رجالِ خیرہ یعنی دربارِ رسالت کے تربیت یافتگان دن بدن کم ہو رہے تھے - اور ان کا اضافہ ہو رہا تھا جن کو لسان رسالت نے احداث الاسنان وسفہاء الاحلام فرمایا تھا -

غور فرمائیے :- عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی شخصیت جس کی نظیر نوع انسان کی پوری تاریخ میں نہیں ہے

کتنی بڑی نعمت اور کتنی بڑی سعادت ہے پوری امت کے لئے، پھر اس کی شہادت یعنی اس بے نظیر نعمت عظمےٰ کا سلب کیا جانا - کیا وہ محرومی نہیں ہے جس کو عذاب کہا جا سکے -

ولئن کفرتم ان عذابی لشدید -

آیت استخلاف کے چند کلموں کی تفسیر پہلے گذر چکی ہے - پوری آیت کا ترجمہ یہ ہے -

"تم میں سے جو لوگ ایمان لاتے اور صالح عمل کرتے رہے - ان سے اللہ تعالےٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ ان کو خلیفہ اور حاکم بنائے گا ملک میں، جیسے خلیفہ بنایا ان سے پہلے لوگوں کو اور جما دے گا ان کے لئے ان کا دین، جو پسند کیا ہے ان کے لئے، اور لامحالہ ان کو خوف اور ڈر کے بدلے امن عطا فرمائے گا (شرط یہ ہے کہ) وہ میری عبادت کرتے رہیں - اس میں کسی کو شریک نہ گردانیں - اس کے بعد جو ناسپاسی کریں گے تو وہی ہیں فاسق - (سورہ النور ۲۴ آیت ۵۵)

سیدنا حضرت شاہ ولی اللہ صاحب انہیں ناسپاس شورہ پشتوں کو وہ فاسق قرار دے رہے ہیں، جو اس آیت کا مصداق ہیں -

فرماتے ہیں :- یعنی چنانکہ قاتلان حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کردند (فتح الرحمٰن)

قبائلیت کی چنگاریاں حیرت ہوتی ہے کہ تفہیم القرآن کا لکھنے والا غلط اور موضوع روایتوں پر اعتماد کرتا ہے - اور لکھتا ہے :-

"بدقسمتی سے خلیفۂ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس معاملہ کے معیار مطلوب کو قائم نہ رکھ سکے - اس کا نتیجۂ آخر کار وہی ہوا جس کا اندیشہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو تھا - ان کے خلاف شورش برپا ہوئی " الخ (ص ۱۰۰)

آپ قبائلیت کی دبی ہوئی چنگاریوں کے سلگنے کا سبب حضرت عثمانؓ کی صلۂ رحمی کو قرار دیتے ہیں اور آپ کی نظر قرآن حکیم پر نہیں جاتی -

سورہ اقرأ نبوت کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی - اس نے اس امت کے نشو و نما کے آغاز ہی میں آگاہ کر دیا تھا - کلا ان الانسان لیطغیٰ ٥ ان رّاٰہ استغنیٰ - (کوئی نہیں انسان سر چڑھتا ہے، اس لئے کہ دیکھے آپ کو محفوظ[1])

---

[1] محفوظ - تونگر - مستغنی اور بے نیاز - نصیبہ ور -

وحی الٰہی کے اس فقرہ میں جس طرح اہل بصیرت کے لئے بشارت تھی کہ ان کا فقر غنا سے بدلے گا، فاقہ مستی کی بجائے توانگری کا ظہور ہو گا۔ اسی طرح اس میں تنبیہ بھی تھی۔ کہ فطرت غنا یہ ہے کہ وہ طغیان وغیرہ پیدا کرے اور انسان کو اپنے آپے سے باہر کر دے۔

یہ مضمون پہلے بھی تفصیل سے گذر چکا ہے کہ صحابہ کرام جو وحی الٰہی کے رموز شناس تھے، ان کے ذہنوں میں سوال پیدا ہوا۔ "اویأتی الخیر بالشر" (کیا ممکن ہے کہ خیر محرک شر بنے)

صحاح کی مستند[1] ترین روایت ہے کہ اس کا جواب دینے میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو تأمل ہوا اور ایسی تشویش لاحق ہوئی کہ جبین مبارک پر پسینہ کے دُرنا سفتہ جھلکنے لگے۔ آپ نے پسینہ خشک فرما کر جواب دیا۔ آپ کے پُر حکمت جواب کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ دولت و توانگری کو خیر محض سمجھنا ہی صحیح نہیں ہے۔ اس کی فطرت ہے کہ عظمت انسانیت اور شرفِ روحانیت کے لئے سمِ[2] قاتل اور زہرِ ہلاہل کا کام کرتی ہے۔ اِلّا یہ کہ احتیاط اور تقویٰ سے کام لیا جائے۔ زیادہ کی ہوس نہ ہو اور جو حاصل ہو اس کا استعمال صحیح ہو۔

کتاب اللہ کا اشارہ اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی اپنی پوری صداقت کے ساتھ ظہور پذیر ہوا۔ دولت آئی۔ صرف وہ جماعت اس کے مضر اثرات سے محفوظ رہی[3] جو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کیمیا اثر کے فیض سے کندن بن چکی تھی۔ (جس کی کچھ تفصیل انہی اوراق میں پہلے گذر چکی ہے) اور جن میں یہ پختگی پیدا نہیں ہوئی تھی وہ کتاب اللہ کے اس ارشاد کا تماشہ گاہ بن گئی۔

کلا ان الانسان لیطغیٰ ان راٰہ استغنیٰ۔

(کوئی نہیں۔ انسان سر چڑھتا ہے اس پر کہ دیکھے آپ کو دولتمند)

علامہ ابن خلدون کے ایک فقرہ[4] کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

"انسانی جماعتوں (امتوں) میں سے کسی بھی امت کی حالت فاقہ مستی میں قبیلہ مضر سے بدتر نہیں

---

[1] بخاری شریف ص ۱۹۷، ۳۹۸ و ۹۵۱ وغیرہ۔

[2] انہ کل ماینبت الربیع یقتل اویلم ص ۳۹۸ بخاری شریف وان کل ما انبت الربیع یقتل حبطا اویلم ص ۹۵۱ بخاری۔

[3] سیدنا خباب بن الارت رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے ان اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم مضوا ولم تنقصھم الدنیا بشیٔ۔ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم رخصت ہو گئے اور دنیا ان میں کوئی نقص پیدا نہ کر سکی۔ (بخاری شریف ص ۹۵۲)

[4] مقدمہ ابن خلدون ص ۲۰۴۔

تھی، کیونکہ اس کی سکونت حجاز کے اس علاقہ میں تھی جہاں نہ کاشت کا سلسلہ تھا۔ اور نہ وہاں مویشی تھے۔ شاداب علاقوں تک ان کی پہنچ نہیں ہو سکتی تھی، کیونکہ ان پر قبیلہ ربیعہ اور اہل یمن کا قبضہ تھا۔ قبیلہ مضر کے لوگ بچھو اور کیڑے مکوڑے کھا جاتے تھے۔ اونٹ کے بالوں کو بھگو کے رکھتے پھر خون میں ان کو گھوٹتے اور کھا لیتے تھے۔ اس کو وہ علہز کہا کرتے تھے اور یہ ان کا قابلِ فخر کھانا ہوتا تھا۔

دعوتِ اسلام نے جب ان میں انسانیت کی زندگی پیدا کی اور ان لوگوں نے غزوات میں حصہ لیا تو پھر دولت کی یہ فراوانی ہوئی کہ ایک ایک غازی کا حصہ ایک جہاد میں سونے کے تیس تیس ہزار دینار یا اس سے بھی زیادہ ہوتا تھا۔"

اب ان قبائل پر نظر ڈالئے جو کوفہ اور بصرہ جیسے شہروں میں آباد ہوئے جنہوں نے اپنے امراء اور کارپردازانِ حکومت کے خلاف شکایتوں کے دفتر تیار کئے اور ان کو پھیلایا، جن کے لئے نہ صرف قریش کا اقتدار ناقابلِ برداشت ہو گیا بلکہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عظمت بھی ان کو اکھرنے لگی، چنانچہ ان کے حق میں زبان طعن بے لگام ہو گئی۔ یہ قبائل اسی قبیلہ مضر اور اس کے ہم دوش قبیلہ ربیعہ کی شاخیں ہیں۔ دولت کی فراوانی نے ان میں یہ طغیانی پیدا کی۔ جس کو عبداللہ بن سبا کی پارٹی نے یہاں تک ہوا دی کہ شہادت خلیفہ مظلوم کی نوبت آئی۔

ملوکیت کی بنیاد خلیفہ مظلوم کی شہادت کے بعد قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوا کہ جب ناقدرشناس شورہ پشتوں کے گروہ نظامِ مملکت پر چھا چکے ہیں۔ تو آیا آئندہ اس نظام میں وہی خلافت راشدہ کی احتیاط اور اس کا وہی رحم و کرم باقی رکھا جائے جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا اصول رہا تھا کہ جان عزیز قربان کر دی اور یہ گوارا نہ کیا کہ کسی کے خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر گرے۔

"اہل مدینہ اصرار کر رہے ہیں کہ ان بلوائیوں کو تہ تیغ کیا جائے۔ (طبری ص ۱۰۳ ج ۵)

خصوصاً ذی مروہ، ذی خشب اور الاعوص میں قیام کرنیوالوں کو جن کو لسانِ رسالت (علی صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) ملعون قرار دے چکی ہے۔ (طبری ص ۱۰۴، ۱۰۵ - ج ۵)

مگر خلیفہ مظلوم کا انتہائی تقویٰ اجازت نہیں دے رہا کہ جہاں تک ان کا تعلق ہے قتل تو درکنار کسی کو ادنیٰ سزا بھی دی جائے۔

سوال یہ ہوا کہ آیا خلافت راشدہ اور اس کی یہ احتیاط باقی رکھی جائے یا اس احتیاط سے گزر کر سیاست کو بھی کام میں لایا جائے۔ جس میں بسا اوقات شبہ کو واقعہ اور حقیقت کی حیثیت دیدی جاتی ہے اور اس پر وہی کارروائی کی جاتی ہے جو کسی واقعہ کی بنیاد پر کی جاسکتی ہے۔ بلا شبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے مشاجرت کا سبب مطالبہ قصاص تھا، لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس مشاجرت کی تہ میں نظریاتی اختلاف بھی تھا۔

خلیفہ رابع امام الاتقیاء سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نظام مملکت کو اسی تقویٰ اور احتیاط پر باقی رکھنا چاہتے تھے۔ آپ کی خلافت بلاشبہ اسی احتیاط اور تقویٰ پر مبنی تھی اور آپ کی خلافت بلاشبہ خلافتِ راشدہ تھی، لیکن سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے رفقاء کا نظریہ پوری دیانت اور ایمانداری کے ساتھ یہ تھا کہ اندازِ ملوکیت اختیار کیا جائے۔

بقول علامہ ابن خلدون رحمۃ اللہ علیہ اس نظریے کو کامیاب بنانے کے لئے بھی جماعت کی ضرورت تھی۔ تقویٰ کی بنیاد پر اقتدار اعلےٰ کے لئے قربان ہونے والے ختم ہو چکے تھے۔ قبائلیت کی چنگاریاں بھڑک چکی تھیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاست نے اسی عصبیت سے کام لیا۔

علامہ فرماتے ہیں:۔

انما اختلف اجتہادھم فی الحق وسفّہ کل واحد منھم نظر صاحبہ باجتہادہ فی الحق فاقتتلوا علیہ ان کان المصیب علیا فلم یکن معاویۃ قائما فیھا بقصد الباطل انما قصد الحق واخطأ والکل کانوا فی مقاصدھم علی حق۔

(مقدمہ ابن خلدون ص ۲۰۵)

حق کی تحقیق و تفتیش میں ان کا اجتہاد مختلف ہوگیا۔ ہر ایک نے اپنے مقابل کی رائے کو غلط اور نادانی قرار دیا۔ اسی پر آپس میں نبرد آزما ہوگئے۔ اگرچہ مصیب سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے، لیکن یہ بھی واقعہ ہے کہ سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی باطل کے علمبردار بن کر کھڑے نہیں ہوئے تھے۔ ان کا مقصد اور نصب العین بھی حق ہی تھا۔ مگر غلطی کر گئے۔ واقعہ یہی ہے کہ سب حضرات اپنے مقاصد میں حق پر ہی تھے۔

مودودی صاحب خلیفۂ مظلوم سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ملزم و مجرم قرار دینے کے لئے

خورد بین استعمال کرتے ہیں۔ موضوع روایتوں کا سہارا لیتے ہیں۔ بظاہر آپ کا تاثر یہ ہے کہ ملوکیت چور دروازے سے آئی۔ پھر ان وہمی مقدمات کی بنیاد پر جو افسانہ تراشتے ہیں اس کو تحقیق قرار دے کر احسان فرماتے ہیں کہ مسلمان طلبہ کو مغربی مصنفین کے اثرات سے محفوظ کر لیا۔ جو ان واقعات کو نہایت غلط رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جو کچھ وہ فرما رہے ہیں وہ کوئی نامعلوم تاریخ نہیں جو کہیں چھپی ہوئی پڑی تھی اور وہ اس کو یکایک منظرِ عام پر لانے آئے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ (ص ۲۹۹، ۳۰۰)

لیکن حضرت علامہ سے کوئی دریافت کرے کہ تاریخ کے کھلے ہوئے واقعات پر پردہ ڈال کر رطب ویابس کے طومار کو تحقیق سمجھنا کیا کوئی دیانت داری اور دانش مندی ہے۔ کیا اس طرح ملت یا تاریخ ملت کی کوئی خدمت انجام پا سکتی ہے اور کیا اس طرح مسلم طلبہ مورخینِ مغرب کے اثر سے محفوظ رہ سکتے ہیں۔ بالخصوص جبکہ مورخینِ مغرب کے منشا کو آپ پورا کر رہے ہوں۔

تصنع اور تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ بات کھلی ہوئی واضح ہے۔ ملوکیت چور دروازے سے نہیں آئی وہ کھلے بندوں آئی۔ سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسی کو اختیار کیا۔ آپ نے کھلے بندوں ملوکیت قائم کی۔ آپ کی ملوکیت خلافت راشدہ نہیں تھی۔ مگر اسی دورِ ملوکیت میں امت کا اندرونی انتشار ختم ہوا۔ تلواریں نیام میں داخل ہوئیں اور باہمی اتحاد و اتفاق کے پرچم لہرائے اور امت نے ہر شعبہ میں ترقی کی طرف قدم بڑھایا۔ اسی لئے آپ کی ملوکیت کو ملوکیت راشدہ کہا گیا۔ فرضی اللہ عنہ۔

بلاشبہ آپ نے اس ملک راشد کی شخصیت کو مجروح کرنے میں کوتاہی نہیں کی اور اہل علم آپ کے عمل کا تسلی بخش جواب دے رہے ہیں۔

شکر اللہ سعینا و سعیہم و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین۔

علماء، طلبہ، مزدوروں اور کسانوں کے حقوق کا نگہبان

ہفت روزہ المحمود

بیادگار شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ

بحکم: حضرت مفتی محمود وزیر اعلیٰ سرحد ڈیرہ اسمٰعیل خان

نگران اعلیٰ: قاضی عبداللطیف صاحب۔ مدیر اعلیٰ: شیخ عزیز الرحمٰن صاحب

مدیر معاون خواجہ محمد زاہد

فی پرچہ: ۲۵ پیسے ۰ سالانہ ۱۰ روپے ۰ ششماہی ۶ روپے

ہر شہر میں ایجنٹوں کی ضرورت ہے

ترسیل زر اور خط و کتابت کے لئے۔ حافظ محمد حسن صاحب جنرل منیجر ہفت روزہ المحمود ۔ باکھری بازار ۔ ڈیرہ اسمٰعیل خان

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی ؒ کے ایک مکتوب گرامی سے اقتباس

لطائفِ حج

(مرسلہ: محترم جناب الحاج عبدالکریم صابر، ڈیرہ اسمٰعیل خان)

○

عاشق پر اولین فریضہ یہی ہے کہ اغیار سے قطع تعلق کیا جائے جو کہ روزہ میں ملحوظ رکھا گیا ہے۔ دن کو اگر صیام کا حکم ہے تو رات کو قیام اور آخر میں اعتکاف نے آکر رہے سہے تعلقات کا بھی خاتمہ کر دیا۔ بحکم من شہد منکم الشہر فلیصمہ اور من قام رمضان ایماناً (الحدیث) اگر استیعاب صوم رمضان کا پتہ چلتا ہے تو بحکم من احیا لیلہ ومن صام رمضان (الحدیث) وغیرہ استیعاب قیام رمضان کا بھی پتہ چلنا ضروری ہے۔ اور چونکہ کمال صومی کے لئے محض مالوفات ثلاثہ کا (جو کہ اصل الاصول ہیں) ترک مطلوب نہیں بلکہ ان کے علاوہ معاصی اور مشتہیات نفسانیہ کا ترک بھی مقصود ہے۔ من لم یدع قول الزور (الحدیث) اور "رب صائم لیس لہ من صومہ الا الجوع (الحدیث) اس کے شاہد عدل ہیں۔

جب ترک اغیار کا اثبات (جو کہ منزل عشق کی پہلی گھاٹی ہے) ہو گیا۔ اس کے بعد ضروری ہے کہ دوسری منزل کی طرف قدم بڑھایا جائے، تاکہ کوچہ محبوب اور اس کے دار و دیار کی جبہہ سائی کا فخر حاصل کیا جائے۔ اس لئے ایام صیام کے ختم ہونے پر ایام حج کی ابتداء ہوتی ہے۔ جن کا اختتام ایام نحر (قربانی) پر رہ ہے۔ کوچہ محبوب کی طرف اس عاشق کا سفر کرنا جس نے تمام اغیار کو ترک کر دیا ہو اور سچے عشق کا مدعی ہو۔ معمولی طریقہ سے نہ ہوگا، نہ اس کو سر کی خبر ہوگی نہ پیر کی۔ نہ بدن کے زیب و زینت کا خیال ہوگا اور نہ لوگوں سے جھگڑا لڑنے کا ذکر فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج۔

کہاں عشق اور کہاں آپس کے جھگڑے اور لڑائیاں۔ کہاں قلبی اضطراب اور کہاں شہوت پرستی و

آرام طلبی، نہ سرمہ کی فکر ہوگی نہ خوشبودار تیل کا دھیان۔ اس کو آبادی سے نفرت جنگل اور جنگلی جانوروں سے الفت ہونی ضروری ہے۔ وحرم علیکم صید البر ما دمتم حرما۔ سیر وشکار جو کہ کار بیکاراں ہے ایسے عشاق اور مضطر نفوس کے لئے بعید نفرت کی چیز ہوگی۔ واذا حللتم فاصطادوا۔

اس کی تو دن رات کی سرگرمی معشوق کی یاد، اس کے نام جینا اپنے تن وبدن کو بھلا دینا۔ دوست احباب، عزیز واقارب، راحت وآرام کو ترک کر دینا۔ نہ خواب آنکھوں میں بھلی معلوم ہوگی۔ لذائذ اطعمہ اور خوشبودار اور خوش ذائقہ اشربہ والبسہ کا شوق ہوگا ؎

یداری ھواہ ثم یکتم سرّہ ویخشع فی کل الامور ویخضع

(ترجمہ) وہ اس کی محبت خوش اسلوبی سے نبھاتا رہتا ہے۔ پھر اس کے راز پر پردہ پوشی کرتا رہتا ہے اور تمام حالات میں مطیع وفرمانبردار رہتا ہے۔

جوں جوں دیارِ محبوب اور ایام وصال کی قربت ہوتی جاتے گی اسی قدر ولولہ اور فریفتگی اور جوش جنون میں ترقی ہوتی جاتے گی ؎

وعدۂ وصل چوں شود نزدیک آتش شوق تیز تر گردد

ان دنوں جوشِ جنوں ہے ترے دیوانے کو لوگ ہر سو سے چلے آتے ہیں سمجھانے کو

خونِ دل پینے کو اور لختِ جگر کھانے کو یہ غذا دیتے ہیں جاناں ترے دیوانے کو

نو بہار است، جنوں چاک گریباں مددے آتش افتاد بجاں جنبش داماں مددے

قریب پہنچتے ہیں (میقات پر) تو اپنے رہے سہے میلے کچیلے کپڑوں کو پھینک دیتے ہیں اور اس وادئ عشق میں گریبان اور دامن سے کیا کام ؎

ہم نے تو اپنا آپ گریباں کیا ہے چاک اسکو سیا سیا نہ سیا پھر کسی کو کیا

دن رات محبوب کی رٹ پپیہے کی طرح لگی ہوئی ہے (تلبیہ پڑھ رہے ہیں) ؎

رٹت پھرے پیو پیو کنارے ہمرے پیا تو بدیس سدھارے

برہا بروگ سے کلپت جیو اب جن بول پپیہا پیو!

اگر غم ہے تو محبوب کا۔ اگر ذکر ہے تو معشوق کا، اگر طلب ہے تو پیا کا۔ اگر خیال ہے تو دلبر کا ؎

عشق میں تیرے کوہ غم سر پر لیا جو ہو سو ہو عیش ونشاط زندگی چھوڑ دیا جو ہو سو ہو

کوچۂ محبوب میں پہنچتے ہیں تو اُس کی در و دیوار کے اردگرد پوری فریفتگی کے ساتھ چکر لگاتے ہیں چوکھٹ پر سر ہے تو کہیں دیواروں پر لب ؎

امر علی الدیار دیار لیلی   اقبل ذالجدار و ذالجدارا

(ترجمہ) میں گزر رہا ہوں دیار پر یعنی دیارِ لیلیٰ پر بوسے دے رہا ہوں اس دیوار کو اور اُس دیوار کو

وما حب الدیار شغفن قلبی   ولکن حب من نزل الدیارا

(ترجمہ) ان مکانات کی محبت شفاف قلب میں سرایت کئے ہوئے نہیں ہے بلکہ اس کی محبت جو ان مکانات میں مقیم ہوا تھا۔

کسی نے اگر جھوٹی سی خبر دی کہ معشوق کا جلوہ فلاں جگہ نمودار ہونے والا ہے، تو لے سر و پیر دوڑتے ہوئے وہاں پہنچے۔ نہ کانٹوں کا خیال ہے، نہ رستے کے پتھروں کی فکر ہے نہ گڑھوں میں گرنے کا سوز ہے نہ پہاڑوں کی سختی کا ڈر ہے۔ اہلِ عقل اور اہلِ زمانہ اگر پھبتیاں اڑاتے ہیں تو کیا شرم ہے ؎

جب پیت بھئی تو لاج کہاں   سنسار ہنسے تو کیا ڈر ہے

دکھ درد پڑے تو کیا چنتا   اور سکھ نہ رہے تو کیا ڈر ہے

اگر ناصحِ ناداں معشوق اور عشق سے روکتا ہے تو جس طرح آگ پر پانی کے چھینٹے اسکو اور بھڑکا دیتے ہیں اسی طرح آتشِ عشق اور بھڑک جاتی ہے۔ ناداں ناصح کو پتھر مارتے ہوئے اپنے آپ کو قربان کر دینے کے لئے بیتاب ہو جاتے ہیں ع

ناصحا مت کر نصیحت دل مرا گھبرائے ہے

وبھجتی یا عاذلی الملک الذی   اسخطت کل الناس فی ارضائہ

(ترجمہ) اے ملامت گر میری جان اس بادشاہ پر قربان ہے۔ جس کے راضی رکھنے کی غرض سے میں نے تمام کو ناخوش کر دیا ہے۔

فومن احب لاعصینک فی الھوی   قسما بہ و بحسنہ و بھائہ

اے ملامت گر! میں محبوب کے حسن و جمال کی قسم کھاتا ہوں۔ کہ محبت کے بارے میں ضرور تیری نافرمانی کروں گا۔ (متنبی)

میرے محترم! یہ تھوڑا سا خاکہ حج اور عمرہ کا ہے۔ اگر دل میں تڑپ اور سینہ میں درد نہ ہو تو زندگی ہیچ

ہے ۔ وہ انسان بھی انسان نہیں جس کے دل و دماغ ، روح ، اعضا ۔ رئیسہ محبوب حقیقی کے عشق اور ولولہ سے خالی ہوں۔ یہاں عقل کے ہوش گم ہیں۔ جسقدر بھی بے عقلی اور شورش ہوگی اور جس قدر بھی اضطراب اور بے چینی ہوگی اسی قدر یہاں کمال شمار کیا جائے گا۔

موسیا آداب داناں دیگر اند — سوختہ جان و رواناں دیگر اند

کفر کافر را و دیں دیندار را — ذرۂ دردت دلِ عطار را

عقل وحیا کے مقید ہونے والے عشاق آرام اور راحت کے طلبگار محبین اپنی سچائی کے اثبات سے عاجز ہیں ۔

عشق چوں خام است باشد بستہ ناموس و ننگ — پختہ مغزان جنوں را کے حیا زنجیر پاست

اس وادی میں قدم رکھنے والوں کو سر فروشی اور ہر قسم کی قربانی کے لئے پہلے سے تیار رہنا ضروری ہے ۔ آرام اور راحت عزت اور جاہ کا خیال بھی اس راہ میں سخت ترین بلکہ بدترین ہیں، بدنام کرنے والا گناہ ہے ۔

نازپروردہ تنعم نہ برد راہ بدوست — عاشقی شیوۂ رندان بلاکش باشد

یقین می داں کہ آں شاہ نکو نام — بدست سر بریدہ می دہد جام

مولانا المحترم ! اس وادیٔ پُرخار میں قدم رکھتے ہیں اور متلی کا، سر کے چکر کا ، بیماری کا، ضعف کا، تکلیف کا، عزت وجاہ کا فکر ہے ۔ افسوس ہے، مردانہ وار قدم بڑھائیے ۔ اگر تکلیف سامنے ہو تو خوش قسمتی سمجھیے ۔ اگر ستائے جائیں تو محبوب کی عنایت جانیے ۔ پس پردہ طوطی صفت کون کرا رہا ہے ۔ مجنوں کو لیلےٰ کا کاسہ توڑنے پر رقص ہوتا ہے ۔ جس میں وہ اپنے خاص تعلقات کا اثبات کرتا ہے اور آپ یہاں جھجکتے ہیں ۔ کلا واللہ کلا واللہ ۔ اشد الناس بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل قول صادق امین ہے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) "قیمۃ المرء ھمتہ"

بقدر الجد تکتسب المعالی — ومن رام العلی سہر اللیالی

(ترجمہ) درجات کی بلندی باندازِ محنت ہوتی ہے ۔ جو شخص بلند درجہ کا قصد کرتا ہے وہ برابر راتوں کو جاگتا ہے ۔

سوائے رضائے محبوبِ حقیقی اور کوئی دھن نہ ہونی چاہیئے ۔

دنیا و آخرت را بگذار حق طلب کن کایں ہر دو لولیاں را من خوب می شناسم

کوشش ہونی چاہیئے کہ مقدس مقامات اور راستہ میں غفلت میں وقت نہ گزرے۔ خصوصاً عرفات کا دن بعد از زوال نہایت ہی غنیمت ہے۔ اس کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ ہونا چاہیئے۔ اگر لوگوں کی بالخصوص وہاں کے مکان اور حکام کی فروگذاشتیں نظر پڑے تو اس کی طرف توجہ نہ کیجیے۔ اپنے کام سے کام رکھیے۔ اپنے اس نالائق و نابکار سگ دنیا روسیاہ خادم کو بھی دعوات صالحہ میں یاد رکھیے۔ کیا عجب ہے آپ حضرات کی دعائیں فلاح اور نجات کی اسباب بن جائیں۔ بہتر تو یہ ہوتا کہ کچھ دنوں پوری ہمت اور محنت کے ساتھ اذکار وغیرہ کر لینے کے بعد حج ہوتا اور زیارت کی مقدس نعمت حاصل کی جاتی۔ تا کہ دونوں کی حقیقت سے اتصال کی نوبت آتی، مگر جب قصد کیا گیا تو پورا کرنا ضروری ہے۔ جہانتک ہو سکے غفلت کو راہ نہ دیجیے اور ذکر میں مشغول رہیئے — من نکردم شما حذر بکنید

میں انشاء اللہ شوال ۵ر تک یہاں سے روانہ ہو جاؤنگا اور اگر منظور الٰہی ہے تو وحید بھی حج میں آپ کے ساتھ ہوگا۔ خداوند کریم سے دعا ہے کہ آپ سبھوں کو حقیقی نعمت حج زیارت سے مالا مال کر دے، آمین! والدہ ماجدہ اور متعلقین و احباب سے سلام مسنون عرض کر دیں۔

۹ر رمضان المبارک ۱۳۴۷ھ از خلافت آفس سلہٹ۔

ننگ اکابر حسین احمد غفرلہ۔

◆◆

قائد جمعیتہ مولانا مفتی محمود کی "اذانِ سحر" کے بعد اب —

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق ایم۔ این۔ اے اکوڑہ خٹک کی قومی اسمبلی میں ایمان افروز تقاریر اور روح پرور تحاریک التواء کا مجموعہ

دلیلِ سحر

واقعات کے زیر و بم کو پرکھنے کی کسوٹی، حکمرانوں کے داؤ پیچ سمجھنے کیلئے بے نظیر کتاب، وقت کے اتار چڑھاؤ کو ناپنے کا پیمانہ

مسلمان کی متفقہ تعریف • اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا مفہوم • عائلی قوانین کا تنقیدی جائزہ • تعطیل جمعہ پر ہر لحاظ سے جامع بحث • بنگلہ دیش کے متعلق حقیقت پسندانہ جائزہ • شیعہ سنی نصاب کے بارے میں اصولی باتیں • معاہدہ شملہ کی توثیق و تنسیخ پر ٹھوس دلائل۔

قیمت: ۱/۵۰

طرز استدلال — سائنٹیفک • اندازِ تقریر دلنشین • رنگین سرورق • اعلیٰ کتابت • معیاری طباعت • صفحات ۴۸

عزیز پبلیکیشنز۔ ۵۲۔ میکلوڈ روڈ۔ لاہور

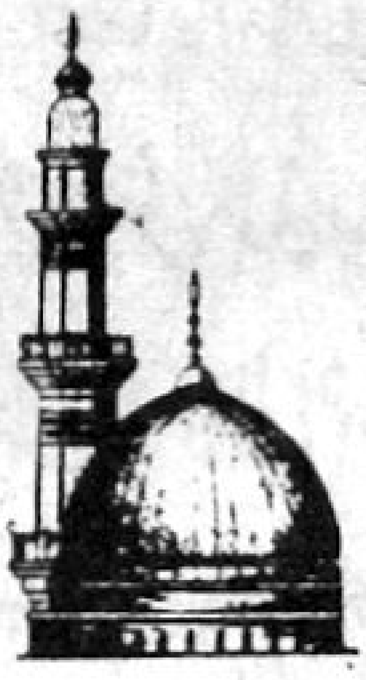

نعت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

صبا بسوئے مدینہ رُو کن ازیں دُعا گو سلام بر خواں
بہ گردِ شاہِ مدینہ گرد و بصد تضرّع پیام بر خواں

اے صبا! مدینہ کی طرف رخ کر اور اس دعا گو کی طرف سے
سلام پیش کر۔ حضورِ شاہِ مدینہ کے گرد چکر لگا
اور عاجزی کے ساتھ میرا پیغام پہنچا دے ——

بہ بابِ رحمت گہے گذر کُن بہ بابِ جبریل گہ جبیں سا
سلامُ ربّی علی نبیؐ گہے بہ بابُ السّلام بر خواں

اے صبا! کبھی بابِ رحمت کی طرف جا اور کبھی بابِ جبریل پر
جبیں سا ہو۔ میرے رب کا سلام رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر
کبھی باب السلام پر حاضر ہو کر پہنچا دے

بشو زمن صورتِ مثالی، نماز بگذار اندر آں جا
بہ لحنِ خوش سورۂ محمدؐ تمام اندر قیام بر خواں

اے صبا! میری طرف سے ایک صورتِ مثالی اختیار کر
اور اس پاک مقام پر نماز پڑھ۔ اور حالتِ قیام میں
خوش الحانی کے ساتھ سورۂ محمدؐ کی تلاوت کر

بنہ بچندیں ادب طرازی سرِ ارادت بخاکِ آں کو
صلوٰۃِ وافر بہ روحِ پاکِ جنابِ خیرالانام ؐ برخواں

اے صبا! نہایت ادب واحترام کے ساتھ سرِ ارادت
اس کوچہ کی خاکِ مقدس پر جھکادے اور کثرت سے صلوٰۃ وسلام
حضور خیرالانام صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مقدس پر پڑھ

بہ لحنِ داؤد ہم نوا شو بہ نالۂ درد آشنا شو
بہ بزمِ پیغمبر ایں غزل را زِ عبدِ عاجز نظامؔ برخواں

اے صبا! لحنِ داؤدی کی ہمنوا ہوجا نالۂ درد سے
آشنا ہو (اور پھر) حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی
بزمِ مبارک میں عبدِ عاجز نظام الدین کی جانب سے یہ ہدیہ عقیدت
پیش کر۔

یہ نعت شریف عام طور پر سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب ہے، لیکن ایک قدیم قلمی بیاض سے یہ حقیقت منکشف ہوئی ہے کہ یہ نظام الملک آصفجاہ اول (مورثِ اعلیٰ سلاطینِ آصفیہ دکن) کے پوتے نواب غازی الدین خاں المتخلص بہ "نظام" کا کلام ہے۔ ایسی مثالیں اکثر و بیشتر پائی جاتی ہیں اور یہ تو صرف ایک نعت ہی کا معاملہ ہے، معین ہروی کا تو پورا دیوان ہی حضرت سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب کر دیا گیا ہے ۔ نواب غازی الدین خاں مشہور چشتی بزرگ حضرت مولانا فخرالدین دہلویؒ (م ۱۱۹۹ھ) کے مرید تھے۔ پیر و مرشد کے حالات میں انہوں نے دو کتابیں "فخریۃ النظام" اور "مناقب فخریہ" لکھیں۔ نواب صاحب کو شعر گوئی کا بڑا شوق تھا۔ انہوں نے اپنے شیخ کے اکثر حالات نظم بھی کئے۔ نواب غازی الدین مغلیہ سلطنت کے وزیر بھی رہے۔ بعد میں گردش حالات سے وزارت چھوٹی۔ پھر یہ مختلف مقامات پر مقیم رہے۔ کچھ عرصہ فرخ آباد قیام کیا۔ پنجاب کے شہروں میں بھی رہے۔ پھر مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ چلے گئے۔ واپسی پر شہر کالپی (سی۔ پی۔ انڈیا) میں قیام کیا اور وہیں ۱۰ ربیع الثانی ۱۲۱۵ھ کو انتقال کیا۔ تاریخ فرخ آباد میں لکھا ہے کہ جسد خاکی پاک پٹن میں دفن کیا گیا۔

صحابہؓ کا شوقِ حدیث

حضرت مولانا عبدالشکور دین پوری مدظلہ
خطیب جامع مسجد صدیقیہ ملتان

حدیث اقوال و افعال اور اعمالِ رسول اللہ کا نام ہے۔

حدیث قرآن کی شرح ہے، حدیث وحی خفی ہے۔

خود کلام اللہ نے کلام پیغمبر علیہ السلام کو حدیث فرمایا۔

واذا اسر النبی الیٰ بعض ازواجہ حدیثاً۔ (جب پیغمبر علیہ السلام نے بعض بیویوں کو بات، راز کی بتائی)

حدیث جزوِ ایمان ہے۔ منکر حدیث دائرہ اسلام سے خارج ہے۔
حدیث قرآن کی تشریح و معانی بتاتی ہے۔ بغیر حدیث قرآن پاک سمجھ میں نہیں آتا۔

اَقیموا الصلوٰۃ ۔ قرآن نے مجمل حکم دیا۔ نماز قائم کرو۔ حدیث نماز کا مفہوم، طریقہ اور رکعات ترتیب ارکان، شرائط واجبات و سنن بتائے گی، جو لوگ حدیث پاک چھوڑ کر قرآن سمجھنا چاہتے ہیں وہ یقیناً گمراہ، تباہ اور بے راہ ہیں، کیا انکی نگاہ اس آیت پر نہیں پڑی۔

اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا اَرٰىكَ اللّٰهُ

اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ۔

(ترجمہ) ہم نے قرآن مجید آپ کی طرف نازل کیا جو حق ہے تاکہ آپ عدل سے فیصلہ کریں جو رب العزت رہنمائی کرے۔)

صحابہ کرام جب آپس میں ملاقات فرماتے تو آپس میں کہا کرتے ۔ اجلس بنا نؤمن ساعۃً۔

بھائی تھوڑی دیر بیٹھو حدیث رسول اللہ سے ایمان تازہ کریں۔

حضرت ابوہریرہؓ کو منبر پر بٹھا کر احادیث شوق سے سنتے اور روتے رہتے۔

حضرت ابوہریرہؓ کو ۵۳۷۰ احادیث کا ذخیرہ یاد تھا۔ یہ سب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا کا نتیجہ تھا کہ حافظہ بے نظیر تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ چند میل باہر عوالی مدینہ میں رہتے تھے۔ پھر بھی ایکدن خود مدینہ آتے اور ایکدن عتبان رضی اللہ کو بھیجتے، جو وہ سنتے آکر من وعن بیان کرتے۔

ایک صحابی نماز پڑھ رہے تھے حضور نے کچھ فرمایا وہ نہ سن سکے، نماز سے فارغ ہوتے تو ایک صحابی کے پاس پہنچ گئے اور پوچھا آپ نے کیا فرمایا۔ حدیث کو معلوم کیا تب چین پایا۔ کیا شوق ذوق، عشق ہے۔

افسوس آج ہمیں ناول، افسانے، قصے، ڈرامے اور واہیات لٹریچر سے دلچسپی ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ ایک مہینہ سفر طے کر کے مصر پہنچے۔ حضرت عبد اللہ مقیم مصر سے استفادہ کیا، پھر واپس مدینہ عالیہ آئے۔

ابوہریرہؓ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تم بڑے حریص ہو۔ جب حضور علیہ السلام نے فرمایا جو چالیس احادیث میری یاد کر لے میں اس کی گواہی دونگا، سفارش کرونگا قیامت کے دن علماء کے زمرہ میں اس کا حشر ہوگا، صحابہ کا شوق و ذوق بڑھ گیا۔ حضرت انس کو تقریباً اڑھائی ہزار احادیث یاد تھیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمر کو تین ہزار۔ بی بی عائشہ صدیقہ کو تقریباً ۲۲۱۰ احادیث ازبر تھیں۔ آج ہمیں غلط ابیات اشعار امثال و قصے یاد ہیں۔ اللہ ہی ہدایت دے۔

◆◆

اپیل

ٹھل حسن خان ضلع رحیم یار خان میں عرصہ چار سال سے ایک دینی درسگاہ مدرسہ عربیہ فیض العلوم کا اجراء ہوا ہے۔ جس کی سرپرستی حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب درخواستی دامت برکاتہم جیسے بزرگ فرمارہے ہیں، ۷۰ کے قریب طلبہ زیرِ تعلیم ہیں جن میں تیس مسافر ہیں جن کے جمیع اخراجات مدرسہ ادا کرتا ہے۔ مدرسہ کی کوئی خاص آمدنی نہیں ہے۔ مسلمانوں کے صدقات خیرات سے ہی کام چل رہا ہے۔ لہٰذا آپ حضرات سے پرزور اپیل کی جاتی ہے کہ اپنے صدقات خیرات مدرسہ کو دیکر ثواب دارین حاصل کریں

ترسیل زر کا پتہ: محمد عبد اللہ صدیقی، مہتمم مدرسہ عربیہ فیض العلوم ٹھل حسن خان ڈاکخانہ ٹھل خیر محمد خان ضلع رحیم یار خان

وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا

حج

ان الحج یغسل الذنوب کما یغسل الماء الدّنس

جناب نور مُحمد غفاری ایم اے

مفہوم اور فرضیت حج کے لغوی معنی "زیارت اور ارادہ" کے ہیں۔ مگر اصطلاح شریعت میں حج سے مراد مقررہ اوقات میں مقررہ فرائض اور آداب کی رعایت رکھتے ہوئے بہ نیتِ عبادت خانہ کعبہ کی زیارت کرنا۔

حج دین اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ حج ہر اس بالغ مسلمان پر زندگی میں ایک بار فرض ہے جو اپنے گھر سے خانہ کعبہ تک جانے اور واپس آنے کی قدرت از روئے قوت بدن اور فراوانی مال رکھتا ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلِلّٰہِ علی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا (آل عمران : ۹۷)

اور لوگوں پر اللہ تعالیٰ شانہٗ کا یہ حق ہے کہ جو بھی استطاعت رکھتا ہو اس کے گھر کا حج کرے۔ اور جو شخص استطاعت کے باوجود اس فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے وہ اپنے مسلمان ہونے کے دعویٰ میں جھوٹا ہے۔ اسی فرضیت والی آیت کریمہ میں ہی فرمایا۔

وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ (آل عمران : ۹۷)

اور جس نے کفر کی روش اختیار کی وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ تو تمام جہان والوں سے بے نیاز ہیں۔

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :

عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لم یمنعہ من الحج حاجۃٌ ظاھرۃ او سلطان جابر او مرض حابسٌ فمات ولم یحج فلیمت ان شاء یھودیاً وان شاء نصرانیاً۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو حج کرنے سے نہ کسی ظاہری حاجت نے روکا ہو نہ ظالم سلطان نے اور نہ کسی بیماری نے اور وہ حج کے بغیر مرجائے تو چاہے یہودی مرے چاہے نصرانی (اللہ کو اس سے کچھ غرض نہیں (مشکوٰۃ)

اس حدیث شریف کی تشریح میں حضرت عمرؓ فرماتے ہیں۔ "جو لوگ قدرت رکھنے کے باوجود حج نہیں کرتے میرا جی چاہتا ہے کہ ان پر جزیہ لگادوں، وہ مسلمان نہیں ہیں وہ مسلمان نہیں ہیں"

۱۔ احرام | اصطلاح میں "احرام" حج کی باضابطہ نیت کرنے کو کہتے ہیں۔ حاجی حدودِ حرم میں داخل ہونے سے پہلے ایک مقررہ مقام پر احرام باندھتا ہے۔ یمن، پاکستان، ہندوستان اور مشرق کے دیگر ممالک سے بحری جہاز کے ذریعے جانے والے حجاج کرام کے لئے مقامِ احرام یا میقات "یلملم" ہے۔ مدینہ کی طرف سے آنے والے حجاج کے لئے "ذوالحلیفہ"، عراق والوں کے لئے "ذاتِ عرق"۔ شام اور مصر سے آنے والے "زائرین جحفہ" اور نجد کی طرف سے آنے والے عازمین حج کے لئے "قرن" مقام میقات ہے۔

احرام میں حاجی اپنا قومی یا روایتی لباس اتار کر دو (بن سلی) چادریں پہن لیتا ہے جن میں ایک تہبند اور ایک اوڑھنی ہوتی ہے۔ پھر وہ جب تک مکہ شریف کی حدود میں رہتا ہے اسے احرام کی حالت میں رہنا پڑتا ہے۔ حالت احرام میں حاجی پر چند ایک پابندیاں لگ جاتی ہیں۔

شکار نہ کر سکتا ہے نہ کرا سکتا ہے۔ زیبائش و آرائش ممنوع ہے۔ نہ بال کٹوا سکتا ہے نہ ناخن ترشوا سکتا ہے۔ نہ ٹوپی پہن سکتا ہے۔ نہ عمامہ سے سر چھپا سکتا ہے۔ گویا اپنی فطری حالت میں اپنے آقا کے دربار میں حاضر ہوتا ہے۔ آقا نے یہ لازم قرار دیا ہے کہ جب میرے لئے آؤ تو سادگی کا نمونہ بن کر آنا۔ یہاں تو ہر چیز کی قیمت خلوص ہے، بناوٹ نہیں۔

۲۔ تلبیہ | یہ وہ کلمات ہیں جو عاشق کیف و مستی کے عالم میں بیت اللہ شریف پر نگاہ پڑتے ہی کہنے لگ جاتا ہے۔

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ۔

حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں ۔ میں حاضر ہوں ۔ تیرا کوئی شریک نہیں ۔ میں حاضر ہوں ۔ بیشک ہر قسم کی تعریف کا سزاوار تو ہی ہے ۔ نعمت تیری ہے بادشاہی تیری ہے کوئی تیرا شریک نہیں ۔ یہی پکار اس کا وردِ زبان بن جاتی ہے ، پھر اٹھتے بیٹھتے ، سوتے جاگتے ، چلتے پھرتے یہی کلمات دہراتا رہتا ہے ۔ گویا اب یہ سب کچھ بھول کر صرف محبوب کے عشق میں دیوانہ ہو چکا ہے ۔

۳۔ طواف | کسی مقام کے ارد گرد گھومنے کو کہتے ہیں ۔ اصطلاحِ شریعت میں خانہ کعبہ کے ارد گرد حاجی کے بانیتِ عبادت چکر لگانے کو طواف کہا جاتا ہے ۔ ایک طواف پورا کرنے کے لئے ہر حاجی کو سات پھیرے لگانے ہوتے ہیں ۔

کوئی ایسی طرز طواف بھی مجھے اے چراغ حرم بتا
کہ تیرے پتنگ کو پھر عطا ہو وہی سرشت سمندری

۴۔ حجر اسود کا بوسہ | حج کے ارکان میں سے ایک حجر اسود کو بوسہ دینا بھی ہے ۔ "حجر اسود" ایک کالا پتھر ہے جو خانہ کعبہ کے ایک گوشہ میں نصب ہے ۔ ہر حاجی پر لازم ہے کہ ہر طواف کے ختم ہونے پر اسے بوسہ دے اور سینہ سے لگائے ، لیکن اگر ہجوم عاشقاں میں ایسا ممکن نہ ہو تو کم از کم اشارہ یا کسی لکڑی سے چھو کر چومنا ہی کافی ہے ۔

بوسہ حجر اسود کا فلسفہ صرف اتباعِ سنت ہی ہے ۔ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اس پتھر کو چوم کر فرمایا ۔

"اے کالے پتھر ! میں خوب جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے تو نہ نفع پہنچا سکتا ہے نہ نقصان ۔ مگر تجھے صرف اس لئے بوسہ دیتا ہوں کہ میں نے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا تھا ۔" (مسلم) اللہ اللہ ! یہ تھا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اتباع سنت ! اللھم ارزقنا اتباعھم ۔

۵۔ سعی بین الصفا والمروہ | ارشاد باری تعالیٰ ہے :- اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا (بقرہ : ۱۵۸)

(بے شک صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کے شعائر میں سے ہیں ۔ پھر جو کوئی خانہ کعبہ کا حج کرے یا عمرہ ، اس کے لئے کوئی حرج نہیں اگر وہ ان دونوں کا طواف کرے ۔)

صفا اور مروہ دو پہاڑیاں تھیں ۔ جن کے اب صرف نشان باقی ہیں ۔ ان کے درمیان دوڑنے کی وجہ

کے متعلق دو روایات ملتی ہیں۔

۱:۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو ان کے ننھے بچے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ہمراہ مکہ کی وادی غیر ذی زرع میں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں تو ان کا پینے کا پانی ختم ہو جاتا ہے۔ بچے کو پیاس کی شدت نے بے قرار کر دیا ہے۔ اب ہاجرہ پانی کی تلاش میں دیوانہ وار دوڑتی ہوئی صفا پر چڑھیں پھر نشیب میں واپس آئیں اور پھر مروہ پر چڑھ جاتی ہیں۔ یہ اس دوڑ کی یادگار ہے۔

۲۔ دوسری روایت میں یوں آیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب اس بچے کو اللہ تعالیٰ شانہٗ کے حکم سے ذبح کرنے کے لئے لے گئے۔ تو اپنے نوکروں کو اونٹ دیکر صفا کی پہاڑی پر چھوڑا اور خود اس معصوم لخت جگر کو لے کر مروہ پر گئے۔ حاجی حضرات ان کے اس مبارک سفر کی یاد تازہ کرنے کے لئے سعی کرتے ہیں۔ پہلی روایت زیادہ مقبول اور مشہور ہے۔

۶۔ **وقوف عرفہ** یہی حج کا رکن رکین ہے۔ عرفہ ایک میدان ہے جو بیت اللہ شریف سے ۹، ۱۰ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس میدان میں ۹ ذی الحجہ کو تمام حجاج کو ٹھہرنا پڑتا ہے۔ زوال آفتاب سے غروب تک یہاں دعا، استغفار اور تسبیحات میں مصروف رہتے ہیں۔ اس میدان میں ایک پہاڑی ہے جسے "جبل الرحمت" کہتے ہیں۔ یہی وہ مبارک پہاڑی ہے جس کے دامن میں روئے زمین پر سب سے زیادہ لوگ ایک ہی دن اور ایک ہی وقت میں یہاں روتے ہیں اور اللہ تعالیٰ شانہٗ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرتے ہیں۔ یہ وہ منظر ہے جسے دیکھ کر پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور بندہ کا کیا تعلق ہے؟

یہ ہجوم یاراں اگر ایک طرف شوکت اور عظمت اسلام کا پتہ دیتا ہے تو دوسری طرف روزِ محشر کے اجتماع کی خبر دیتا ہے۔

۷۔ **قیامِ مزدلفہ** زمانہ جاہلیت میں حج کے ایام ایک میلہ کی حیثیت رکھتے تھے۔ خوب بھیڑ بھاڑ اور دوڑ دھوپ ہوتی تھی۔ عرب مغرب کے بعد عرفات سے روانہ ہوتے اور آرام کی غرض سے وہ منیٰ کی طرف چلے جانے کی بجائے رات مزدلفہ میں قیام کرتے تاکہ سستائیں اور صبح تازہ دم ہو کر منیٰ میں جائیں اور قربانی کریں۔ اسلام نے بھی اس طریقہ کو باقی رکھا۔ علاوہ ازیں یہیں "مسجد مشعر الحرام" ہے جو عبادت کا خاص مقام ہے۔ لہٰذا حجاج حضرات کے لئے ضروری قرار پایا کہ وہ عرفات سے لوٹ کر نو اور دس ذی الحجہ کی درمیانی رات مزدلفہ قیام کریں اور صبح سورج نکلنے تک عبادت کریں اور پھر منیٰ کی طرف روانہ ہوں۔

۸ - منیٰ کا قیام اور قربانی | مزدلفہ سے ۱۰ ذی الحجہ کی صبح کو حاجی منیٰ پہنچ جاتے ہیں یہاں ۱۰ - ۱۱ - ۱۲ ذی الحجہ تک قیام کرتے ہیں - حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذبح ہونے کی یادگار مناتے ہیں - یہاں حاجی باہم دعوتیں کرتے ہیں - بازار لگتے ہیں - خرید و فروخت ہوتی ہے اور ایک دوسرے سے تعارف بھی۔

۹ - حلق راس | قربانی کے بعد چونکہ حاجی تمام ارکان حج ادا کر چکا ہوتا ہے لہٰذا اب احرام کی پابندیاں اٹھ جاتی ہیں وہ اپنے بال منڈواتے یا ترشواتے ہیں -

۱۰ - رمی جمار | میدان منیٰ میں پتھر کے تین ستون کھڑے ہیں - حاجی انہیں کنکریاں مارتے ہیں - اس کی علماء امت نے کئی توجیہات کی ہیں مگر دو اقرب الی الفہم اور قرین قیاس ہیں -

۱ - دنیا میں غیر پرستی کا سب سے بڑا مظاہرہ پتھر کے بتوں کی صورت میں ہوا ہے - تو گویا ان ستونوں کو کنکریاں مار کر حاجی یہ بتاتا ہے کہ میں غیر پرستی کے سب سے بڑے منظر سے کوئی تعلق نہیں رکھتا - میرا تعلق تو میرے اللہ تعالیٰ جل شانہ کے ساتھ ہے -

۲ : روایت میں آتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو قربانی کے لئے لے چلے تو شیطان نمودار ہوا اور آپ کے پائے ثبات میں لغزش لانے کی کوشش کرنے لگا تو آپ نے اسے رجم کیا اور یہاں ایک پتھر کا ستون بن گیا - شیطان نے تین مرتبہ آپ کے عزم بالجزم کو متزلزل کرنے کی کوشش کی اور آپ نے تینوں بار اسے رجم کیا - لہٰذا تین پتھر کی نشانیاں بن گئیں - حاجی حضرات اس موحد اعظم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کو تازہ کرنے کے لئے ایسا کرتے ہیں -

حج کے مصالح

اللہ تعالیٰ شانہ، نے شریعت مطہرہ کے ایک ایک حکم میں ایسی مصلحتیں رکھی ہیں کہ اگر دنیا بھر کے افلاطون جمع ہو کر غور و خوض کریں تو ان کی گرد راہ کو نہیں پہنچ سکتے - مگر حج ایک ایسا رکن ہے جس کے مصالح اتنے ہی بے شمار ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ لوگوں میں حج کی منادی کریں تو ساتھ ہی یہ فرمایا کہ لوگوں کو ترغیب دیں کہ وہ آئیں اور حج کے فوائد ملاحظہ کریں - قرآن حکیم میں آتا ہے -

وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ۙ لِّیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ - (الحج : ۴)

اور لوگوں میں حج کی منادی کر دو - آویں گے تیرے پاس پیدل چلکر اور ہر دبلے اونٹ پر سوار

ہو کر تمہارے پاس ہر دور کی مسافت سے آویں گے تاکہ وہ (حج میں پوشیدہ) منافع دیکھ لیں۔

آیئے۔ ذرا ان منافع اور مصالح کا جائزہ لیں۔ ہم انہیں تین حصوں میں تقسیم کریں گے۔ (۱) انفرادی (۲) اجتماعی (۳) خالص دینی اور اخروی۔

انفرادی مصالح

ا۔ احساسِ عبدیت احساس عبدیت یعنی بندہ ہونے کا احساس۔ یہ وہ احساس ہے جو ایک تو انسانی زندگی کے مقصد کا تعین کرتا ہے۔ دوسرے انسان کو زندگی اس مقصد کے تحت گذارنے کے لئے تیار کرتا ہے احساس عبدیت پیدا کرنے کا بھلا اس سے بڑھ کر اور کیا ذریعہ اور طریقہ ہو سکتا ہے کہ آدمی اپنے وطن، گھر، اعزہ و اقارب اور اپنی محبوب اشیاء سبھی کو چھوڑ کر نکل کھڑا ہو اور جہاں اسے جانے کا حکم دیا گیا ہے وہاں بھی اسے اپنی مرغوبات کو چھوڑنا ہوگا۔ تعیشات کو خیر باد کہہ کر ہر قسم کی مشکلات کو برداشت کرنا ہوگا۔ مگر ان سب کے باوجود وہ جس کا اپنے آپ کو بندہ تصور کرتا ہے اس کا حکم ماننے کے لئے یہ سب کچھ کرنے کو تیار ہے ؎

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے

یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

ب۔ اظہارِ محبوبیت حج اظہار محبوبیت کا ذریعہ ہے۔ یہ ایک لطیف نکتہ ہے جو ذہن میں پیدا ہوتا ہے کہ فریضہ حج میں عبدیت سے زیادہ محبوبیت ہے عبدیت سے مجبوری اور بیچارگی ٹپکتی ہے جبکہ محبوبیت سے پیار اور تعلق کا مفہوم مترشح ہوتا ہے۔ جب حاجی گھر سے روانہ ہوتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ کسی پیارے سے ملنے جا رہا ہے۔ جب احرام باندھتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس کی محبت میں تمام تعیشات کو بھول گیا ہے۔ جب اس کی نگاہ بیت اللہ شریف پر پڑتی ہے تو مستانہ وار۔

لَبَّیْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ ۔ (تلبیہ)

حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں۔ حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں میں حاضر ہوں۔ بیشک ہر قسم کی تعریف کا تو ہی سزاوار ہے۔ نعمت تیری ہے۔ بادشاہی تیری ہے کوئی تیرا شریک نہیں۔

کا نغمہ حجازی الاپنے لگ جاتا ہے۔ پھر وہ ہر لمحہ اور ہر آن چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے یہ کلمات وردِ زبان بنائے رکھتا ہے۔ اب اسے بندہ نہیں عاشق کہیے۔ جس سے عشق کرتا ہے اس کا ذکر ہر وقت

زبان پر جاری رکھتا ہے۔

وَحَقِّکُمْ مَا الَّذَّتِیْ غَیْرُ ذِکْرِکُمْ
وَذِکْرُ سِوَاکُمْ فِیْ فَمِیْ قَطُّ لَا یَحْلُوْ

ترجمہ: اور تمہارے حق کی قسم! تمہارے ذکر کے سوا مجھے کوئی چیز بھی لذیذ معلوم نہیں ہوتی اور تمہارے سوا کسی کے ذکر میں مجھے حلاوت معلوم نہیں ہوتی۔

پھر صفا مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے وہ جس اضطراب کا مظاہرہ کرتا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے کھوئے ہوئے محبوب کی تلاش میں ہے۔

مَتٰی یَجْمَعُ الْاَیَّامُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَکُمْ
وَیَفْرَحُ الْمُشْتَاقُ اِذَا جُمِعَ الشَّمْلُ

ترجمہ:۔ دیکھئے زمانہ مجھ کو اور تمہیں کب جمع کرے گا اور مشتاق تو تب ہی خوش ہوتا ہے جب وصل نصیب ہوتا ہے۔

اور جب حاجی ارکان حج کی ادائیگی کے بعد گھر لوٹنے سے قبل بچشم نم خانۂ کعبہ کا طواف کر رہا ہوتا ہے تو اس حقیقت کا مظاہرہ کرتا ہے۔

فَمَنْ شَهِدَتْ عَیْنَاهُ نُوْرَ جَمَالِکُمْ
یَمُوْتُ اشْتِیَاقًا نَحْوَکُمْ قَطُّ لَا یَسْلُوْ

ترجمہ: جس کی آنکھوں نے تمہارے نورِ جمال کا مشاہدہ کر لیا ہے وہ تمہارے اشتیاق میں مرجائے گا وہ کبھی بھی تسلی نہیں پا سکتا۔

الغرض دورانِ حج بندہ اپنے رب کے دربار میں آکر مجسمہ فدویت اور سراپا کیف و مستی بن جاتا ہے۔

۳۔ جہادِ زندگی کی تربیت | انسانی زندگی ایک آزمائش ہے۔ یہ آزمائش دین اور دنیا دونوں کے اعتبار سے ہے۔ دین کے اوامر و نواہی کے مطابق زندگی گذارنا صبر آزما کام ہے۔ گرمیوں کے روزے اور سردیوں کی نمازیں کیا کم آزمائشیں ہیں؟

دنیا کے اعتبار سے یہاں بھوک، ننگ، بیماری اور متنوع تفکرات میں انسان گھرا رہتا ہے جہاں ہم لوگ خدا کے احکام بجالانا مشکل سمجھتے ہیں وہاں دنیوی زندگی میں جب کوئی تکلیف آتی ہے تو گھبراہٹ

بے چینی اور تھڑدلی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

اسلام کا تصورِ حیات ان دونوں جہتوں سے خالی ہے۔ اسلام نے درس دیا کہ خوشی اور غمی اور کلفت اور راحت دونوں حالتوں میں خداوند قدوس کی طرف رجوع کرنا ہی مسلمانی ہے، جس طرح نماز پنجگانہ روزانہ اور صیام رمضان سالانہ تربیت طریق زندگی کا درجہ رکھتے ہیں۔ اسی طرح عمر میں کم از کم ایک مرتبہ کا حج جہادِ زندگی کے لئے تیار کرتا ہے۔ حاجی کا اپنے گھر بار اور اہل و عیال کو چھوڑنا سفر کی صعوبتیں برداشت کرنا اجنبی دیس میں رہنا، خوراک و لباس کی سادگی، جنسی اختلاط کی پابندیاں اور صفا و مروہ کی دوڑیں اس کو کٹھن زندگی گذارنے کے لئے تیار نہیں کرتا تو اور کیا ہے؟

۴۔ ماضی سے وابستگی حج مسلمانوں کے لئے اس کے ماضی سے وابستگی کا بہترین ذریعہ ہے۔ مسلمانوں کے ماضی کا ایک ایک واقعہ اور ایک ایک داستان حرمین شریفین اور سرزمین حجاز سے وابستہ ہے۔

قَلبِی بوادٍ فِی الحِجازِ مُعلق

طفل اِلیٰ الاُمِّ الرَّحیمۃ یعلق

ترجمہ: میرا دل حجاز کی ایک وادی میں اس طرح اٹکا ہوا ہے جس طرح مہربان ماں کے ساتھ اس کا بچہ چمٹ جاتا ہے۔

اَصبُوا الیہِ کُلَّما ھبت صبًا

وَحَشای مِن شَوقٍ لَہٗ یتحرق

ترجمہ: جب بادِ صبا چلتی ہے تو میں اس وادی کا اشتیاق کرتا ہوں، مگر میرا دل اس کی محبت میں ہر وقت جلتا رہتا ہے۔

جب حاجی اس ارضِ مقدس پر قدم رکھتا ہے تو اس کی کتابِ ماضی کا ایک ایک ورق الٹنے لگتا ہے۔ یہیں حضرت آدم علیہ السلام نے سکونت اختیار کی اور خدا کا پہلا گھر بنایا۔ یہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی۔ یہی وہ بے آب و گیاہ وادی ہے جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی اہلیہ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کو چھوڑ کر چلے گئے اور یہیں حضرت ابراہیم نے اپنے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو قربانی کے لئے لٹایا۔ یہی حضرت ہود اور حضرت صالح علیہما السلام نے آکر پناہ لی یہیں حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ولادت باسعادت پائی۔ یہیں مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ، بدر، احد، طائف و حنین وغیرہ ہیں۔ یہیں

سے اسلام کا آفتاب طلوع ہوا اور اس کی کرنیں مشرق تا مغرب پڑیں۔ اسی سرزمین پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنے مقدس خون سے شجر اسلام کو سینچا، پالا، بڑھایا اور تناور بنایا۔

الغرض ان تمام یادوں کو دل میں سمیٹنے اور ان مناظر کو دیکھنے کے بعد حاجی کی قوتِ ایمان و یقین میں کس قدر اضافہ مضبوطی اور تازگی آتی ہوگی۔ اس کا اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہیں اس بات کا تجربہ ہو چکا ہے۔

۵۔ جذبہ سیاحت کی تسکین شوقِ سیاحت انسانی فطرت میں شامل ہے۔ جبلت اور فطرت سے انکار کیا جا سکتا ہے نہ انہیں کچلا جا سکتا ہے۔ اسلام چونکہ مذہب فطرت ہے وہ فطرت کو ختم نہیں کرتا بلکہ اس سے مطابقت کی صورتیں پیدا کرتا ہے یا اس کا رجحان بدل دیتا ہے۔ مثلاً سریلی آواز کا پسند آنا ایک فطری بات ہے۔ اس کا بے جا استعمال، فحش گانے سننا ہے، مگر اسلام نے اس کی بجائے قرأتِ قرآن کرنا اور سننا، نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور پاکیزہ اشعار کے سننے اور ان سے لطف اندوز ہونے کی اجازت دی۔ جنسی خواہش کا بے جا استعمال زناکاری تھا، اسلام نے تعددِ ازواج کی اجازت دی اور اس کا سدِباب کیا۔ اور اس قسم کی دسیوں مثالیں دی جا سکتی ہیں۔

خالق نے انسان کی فطرت میں سیر و سیاحت کا مادہ رکھ دیا۔ مگر اس کے ساتھ اسے شُتر بے مہار نہیں چھوڑا ہے۔ سِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ الخ کا حکم دے کر انسان کو بتایا کہ وہ بیشک سیر و سیاحت کا شوق پورا کرے، مگر عبرت و موعظت کی آنکھ سے، سفرِ حج اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ دنیا کے گوشہ گوشہ سے آنے والے حجاج کرام دوران سفر اقوام رفتہ کی عظمت کے نقوش اور مبغوض اقوام کی تباہی کے مقامات ان کے مساکن اور کھنڈرات دیکھ کر نصیحت حاصل کر سکتے ہیں، چنانچہ سفرِ حج جہاں سبب عبرت اور عبادت ہے وہاں موجب تسکین جذبہ سیاحت بھی ہے۔

اجتماعی فوائد

اخوت کے جذبات کا پیدا ہونا زندگی میں انسان کئی اپنے دشمن پیدا کر لیتا ہے۔ دنیوی معاملات میں بات بات پر جھگڑے اور لڑائی کی نوبت آتی ہے۔ بعض ایسی لڑائیوں کے اثرات دور رس اور دیرپا ہوتے ہیں۔ آدمی کئی مہینے قطع تعلق کر کے گزار لیتا ہے۔ مگر یہ مشاہدہ ہے کہ جب وہ حج کے لئے روانہ ہوتا ہے تو اپنے روٹھے ہوئے مسلمان بھائی کے گلے مل لیتا ہے اور ہر قسم کی رنجش اور بغض و عناد سے سینہ منزّہ و مبرّہ کر لیتا

ہے۔ اس لحاظ سے حج معاشرتی سازگاری اور امن و آشتی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ اور جب حاجی میدانِ عرفات میں پہنچ کر تمام مسلمانوں کو ایک مقام پر اکٹھا دیکھتا ہے تو عالمگیر برادری کے جذبات پرورش پاتے ہیں۔

غیر فطری عدم مساوات کا خاتمہ دنیا میں معاشرتی بگاڑ کا سب سے بڑا سبب طبقاتی کشمکش اور رنگ و نسل کا امتیاز ہے۔ اسلام ان دونوں لعنتوں سے برأت کا اعلان کرتا ہے۔

اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا ؕ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ۔ (الحجرات ۱۳)

بیشک ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں پہچاننے کے لئے ذاتوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا، بیشک تم میں سے اللہ کے ہاں معزز ترین وہی ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے۔

اس کا سب سے بڑا مظاہرہ حج کے موقع پر ہوتا ہے۔ جب گورے رنگ کا ایرانی اور کالے رنگ کا حبشی، کھجور کھانے والا عربی اور گندم کھانے والا پاکستانی۔ کشمیر کی جنت نظیر وادی کا رہنے والا کشمیری اور افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں کا باسی افریقی لانبے قد کا مصری اور ٹھگنے قد کا بونا۔ غریب اور امیر، بادشاہ اور رعایا سب ایک ہی میدان میں کھڑے رو رو کر اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہے ہوتے ہیں تو حاجی کے دل میں خیال آتا ہے کہ یہ رنگ و نسل اور وطن و قوم کی جو دیواریں ہم نے کھڑی کر رکھی ہیں درحقیقت وہ تو ریت کے گھروندے سے بھی کمزور ہیں اور یہ امارت و غربت کے امتیازات جو ہم نے قائم کر رکھے ہیں وہ تو آفتاب اقبال کے دائرے ہیں جو سمٹتے اور پھیلتے رہتے ہیں۔ دراصل تو ہم سب برابر ہیں۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں آج سے چودہ سو سال قبل نبی اُمّی (فداہ ابی و امّی) صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

اے لوگو! تم سن لو تمہارا سب کا رب ایک ہے۔ تم تمام ایک ہی اصل کی شاخ ہو۔ اس لئے عربی کو عجمی پر سُرخ کو سیاہ پر اور سیاہ کو سرخ پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے سبب۔ (مسلم شریف)

سیاسی مصالح

احساسِ مرکزیت حج کا اجتماع جہاں اسلامی شوکت کا مظہر ہے وہاں مسلمانوں میں احساسِ وحدتِ مرکز اور وحدتِ امت بھی پیدا کرتا ہے۔ جب مسلمان میدانِ عرفات میں جا کر دیکھتا ہے کہ دنیا کے گوشے گوشے سے مسلمان ایک ہی مقام پر اکٹھے ہو گئے ہیں تو اس کے ذہن میں یہ بات ضرور پیدا ہوتی ہے کہ یہ سب ایک ہی فکر اور ایک ہی مقصد رکھتے ہیں۔ ان کا اللہ بھی ایک ہے ان کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی اور ایمان

بھی ایک ہے۔

مگر ایک ہی خدا کو ماننے والے اور ایک ہی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک طریقہ پر چلنے والے آج ٹکڑوں میں بٹ گئے۔ قبائل میں تقسیم ہو گئے۔ ان کا شیرازہ بکھر گیا اور ناچاقی کی ہوا انہیں پراگندہ پتوں کی طرح اڑائے پھرتی ہے۔ آج کثرت کے باوجود مغلوب ہیں اور طاقت ور ہونے کے باوجود شکست خوردہ۔ آئے دن لیڈرانِ امت سے "مسلم بلاک" "مسلم اتحاد" وغیرہ کی آوازیں سنتے سنتے کان پک گئے ہیں۔ لاکھوں روپے صرف کر کے کانفرنسیں منعقد کرائی جاتی ہیں، لیکن یہ تمام کوششیں کوہ کندن و کاہ برآوردن ثابت ہو رہی ہیں۔ اس ناکامی و نامرادی کی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں مگر سب سے بڑی وجہ "وحدت امت" کے اس درس کا بھول جانا ہے جو پیارے سردار صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری خطبۂ حج میں اس میدان عرفان میں دیا تھا۔

"اے لوگو! یاد رکھو ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور اس طرح روئے زمین کے تمام مسلمان رشتہ اخوت میں منسلک ہیں۔ یاد رکھو تمہارا خون اور تمہارا مال ایک دوسرے پر قیامت تک اس طرح محترم ہے جس طرح یہ دن اس مہینہ اور اس شہر (مکہ) میں وجہ احترام ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو میرے بعد راہ مستقیم سے بھٹک جاؤ کہ خود ہی ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگ جاؤ! یاد رکھو! کہ تمہیں اپنے پروردگار کے دربار میں حاضر ہونا ہے۔ جہاں تمہارے اعمال کی باز پرس ہوگی"۔

حج کا روح پرور منظر ہر سال اس حقیقت کا اعادہ کرتا ہے کہ تمام مسلمان ایک ہیں۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاکِ کاشغر

خالص دینی اور اخروی فوائد

یادِ آخرت سفرِ حج مسلمانوں کو سفرِ آخرت کی یاد دلاتا ہے اور اس کے لئے تیار رہنے کا درس بھی دیتا ہے۔ جب مسلمان حج کے لئے روانہ ہوتا ہے تو اس میں اس امر کا احساس بھی پیدا ہوتا ہے کہ جس طرح وہ اپنے مسکن اور لواحقین اور دنیوی سامان کو چھوڑ کر صرف تھوڑا سا زادِ راہ لے کر جا رہا ہے۔ اس طرح اسے ایک دن مر کر ان تمام اشیاء۔ اور تعلقات کو چھوڑنا ہوگا۔ آج اس کا زادِ سفر کچھ نقدی اور کچھ کھانے پینے کا سامان ہے۔ مگر مرنے کے بعد کے سفر میں زادِ راہ صرف نیک اعمال ہونگے۔ نتیجۃً وہ نیک اعمال بکثرت کرتا ہے اور برائی سے پرہیز کرتا ہے۔ پھر جب وہ میدان عرفات میں حجاج کے عظیم اجتماع کو دیکھتا ہے تو اسے روز

محشر یاد آتا ہے کہ کیسے تمام لوگ وہاں اکٹھے کئے جائیں گے۔

گناہوں کی معافی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَنْ حَجَّ البَیْتَ فَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ رَجَعَ کَمَا وَلَدَتْہُ اُمُّہٗ ۔ اِنَّ الْحَجَّ یَغْسِلُ الذُّنُوْبَ کَمَا یَغْسِلُ الْمَاءُ الدَّنَسَ ۔ جس شخص نے اس گھر (خانہ کعبہ) کا حج کیا۔ اور دورانِ حج نہ تو کوئی شہوانی حرکت کی اور نہ کوئی گناہ کیا، تو جب وہ حج کرنے کے بعد لوٹتا ہے تو یوں (پاک صاف) ہوتا ہے گویا آج ہی اس کی ماں نے اسے جنا ہے، حج گناہوں کو ایسے صاف کر دیتا ہے جیسے پانی میل کو دھو دیتا ہے۔

حج کا بدلہ جنّت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اَلْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَیْسَ لَہٗ جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّۃَ (مسلم) حج مقبول کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں۔

حج کی جامعیت حج کی جامعیت اس کا مستقل دینی فلسفہ ہے۔ حج میں تمام دینی ارکان کی روح موجود ہے۔

۱۔ حج نماز بھی ہے، کیونکہ نماز کا اولین مقصد ذکر الٰہی کی یاد دہانی ہے حاجی دوران حج تلبیہ، ادعیاء ارکانِ مختلفہ اور تسبیحات وغیرہ کے ذریعے ہر وقت اللہ کے ذکر میں رطب اللّسان رہتا ہے۔

۲۔ حج زکوٰۃ بھی ہے۔ کہ زکوٰۃ کی حقیقت یہی ہے کہ انسان کو خدا کی رضا اور بندوں کی حاجات کو پورا کرنے کے لئے تیار کیا جائے۔ حاجی اپنی تمام بچی ہوئی پونجی خدا کی رضا کے لئے خرچ کرتا ہے اور حج کا رکن قربانی کر کے جذبہ خیرات کا اظہار کرتا ہے۔

۳۔ حج روزہ بھی ہے۔ روزہ کی روح یہی ہے کہ انسان اپنی نفسانی خواہشات پر قابو پانا سیکھ لے۔ ایام حج میں بھی اس چیز کی ٹریننگ دی جاتی ہے۔ حاجی جنسی اختلاط سے بچ کر رہتا ہے۔ اگرچہ کھانا پینا ممنوع نہیں، مگر زیب و زینت اور آرائش کی دیگر اشیاء ممنوع ہیں۔

۴۔ حج جہاد بھی ہے۔ کہ جس طرح مجاہد اپنے گھر سے نکلتا ہے تو تمام گھر والوں کو رب کی رضا کی خاطر چھوڑ جاتا ہے۔ میدانِ جہاد میں ایک خاص قسم کا لباس پہنتا ہے۔ ہر وقت اس کے دل میں خدا کی یاد رہتی ہے۔ میدان کارزار میں دوڑتا ہے۔ انہی تمام امور کی مانند حاجی کو انجام دینا پڑتے ہیں۔ یعنی گھر کا چھوٹنا احرام کا باندھنا تلبیہ اور سعی بین الصفا والمروۃ۔

یہ تھے بندہ کی ناقص فہم کے مطابق حج کے چند حکم و مصالح۔ خدا تعالیٰ شانہٗ، ہمیں حج کی برکات نصیب فرمائے۔ (آمین یارب العٰلمین)

حُفّاظ و مُحافظینِ قرآن رحمہم اللہ تعالیٰ

(قسط : ۳)

شیخ القراء حضرۃ مولانا قاری رحیم بخش پانی پتی مدظلہٗ مدرس مدرسہ عربی خیر المدارس ملتان

مرسلہ : مولانا قاری محب اللہ برمی۔

"قراآت کے ناقلین کے حالات اور ان کی اسناد"

امام ابن عامر شامیؒ آپ کا اسم مبارک عبداللہ اور کنیت ابن عامر ہے اور اسی کنیت سے آپ مشہور ہیں۔ آپ کو یحصبی بھی کہتے ہیں، کیونکہ آپ قبیلہ یحصب سے تعلق رکھتے تھے، جو یمن میں تھا۔ آپ دمشق کے رہنے والے ہیں جو ملک شام کا دارالخلافہ تھا۔

ایک قول کی بناء پر آپ حضور سرورِ کائنات فخرِ موجودات خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے دو سال پہلے ۸ھ میں اور دوسرے قول پر ۲۱ھ میں قریہ جابیہ میں پیدا ہوئے اور شام کی فتح کے بعد دمشق میں مقیم ہو گئے تھے اس وقت آپ کی عمر ۹ سال تھی۔

آپ تابعی اور قراءۃ اور حدیث کے امام تھے خود فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زیارت کی تو ان سے پوچھا کہ آپ نے اپنے اس ہاتھ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی ہے؟ انہوں نے فرمایا ہاں۔ پس میں نے ان کا ہاتھ چوم لیا۔

آپ نسبت کی رو سے خالص عرب اور ان میں کے فصیح لوگوں میں سے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز (ثانی عمر) نے جن کی پرہیزگاری اور بزرگی اور عدالت پر تمام امت کا اجماع ہے، دمشق میں جو ملک شام کا صدر مقام اور دارالخلافہ اور تابعین کی کان اور علماء کے قافلوں کے اترنے کا مقام تھا جو ہر ایک جانب سے آتے تھے جس کی جامع مسجد دنیا کے عجائب میں سے ایک عجیب عمارت ہے۔ تین بڑے بڑے عہدوں پر آپ کو فائز کر رکھا تھا۔ یعنی آپ یہاں کے خطیب بھی تھے اور قراآت کے شیخ بھی اور شہر کے قاضی بھی؛ اور حضرت

عمر بن عبدالعزیزؒ باوجود امیرالمومنین ہونے کے ان کے پیچھے نماز ادا کیا کرتے تھے۔

آپ کے شیوخ اور سند قراءۃ | آپ حافظہ، امانت، علم اور دینی کمال میں بہت مشہور تھے۔ آپ نے امام ابی ہاشم، مغیرہ بن ابی شہاب، عبداللہ بن عمرو بن المغیرہ مخزومی سے اور انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قرآن مجید پڑھا ہے۔ اور حضرت امام دانی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول کی رو سے آپ نے حضرت ابو درداء عویمر بن زید بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی اخذ کیا ہے۔ صاحبِ نشر فرماتے ہیں کہ دانیؒ کی یہ روایت (کہ امام بن عامرؒ نے حضرت ابو درداء سے بھی پڑھا ہے) ہمیں صحت کے ساتھ پہنچی ہے اور آپ کے شاگرد ذماری کے بیان کے مطابق آپ نے خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ایک قول کے مطابق حضرت واثلہؓ اور حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی پڑھا ہے اور حضرت عثمان، حضرت واثلہ، حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہم نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا ہے۔

آپ سند کی رو سے قراء سبعہ میں سب سے اعلیٰ ہیں۔ اسی لئے آپ سے قراءت کا علم حاصل کرنے کے لئے مشرق و مغرب ہر جانب سے ایک مخلوق آتی رہتی تھی اور آپ کے حلقۂ درس میں چار سو خلفاء ہی ہوتے تھے جو قراآت میں آپ کے نائب ہوتے تھے۔ نیز آپ کی قراءۃ شام کے علاوہ تمام اسلامی شہروں میں بھی شائع تھی۔ آپ کی وفات دس محرم الحرام ۱۱۲ھ کو دمشق میں ہوئی رحمۃ اللہ علیہ۔

آپ کے بہت سے راوی ہیں جیسے ولید بن عتبہ، ولید بن مسلم۔ عبدالرزاق الوراق وغیرہ، مگر دو بہت مشہور ہیں۔ ہشام اور ابن ذکوان۔

سیدنا ہشام | یہ آپ کا اسم مبارک ہے اور کنیت ابوالولید ہے۔ آپ کے والد ماجد کا نام عمار ہے۔ آپ سلمی ہیں۔ تبع تابعین میں سے ہیں۔ ۱۵۳ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے زمانہ میں دمشق کے قاضی مفتی، محدث، قراآت کے استاذ اعلیٰ اور خطیب تھے۔ امام دارِ قطنی فرماتے ہیں کہ آپ بات کے نہایت سچے اور بڑی شان والے اور بہت بڑے فصیح اور واسع الروایت تھے۔ امام بخاریؒ نے بھی اپنی صحیح میں ان سے روایت کی ہے۔ امام عبدان فرماتے ہیں کہ (آپ کی فصاحت کا یہ حال تھا کہ) میں نے خود ان کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میں نے بیس سال سے کوئی خطبہ بھی ایسا نہیں دیا جس کی تیاری پہلے سے کی ہو۔ آپ نے ۲۴۵ھ یا ۲۴۶ھ میں ۹۲ یا ترانوے سال کی عمر میں وفات پائی رحمۃ اللہ علیہ۔

آپ کی سند اور شیوخ قراءۃ | آپ کے شیوخ چار ہیں۔ (۱) ابوالعباس صدقہ بن خالد (۲) امام ابو محمد سوید بن

عبدالعزیز (۳) ابو الضحاک عراک بن خالد مرّی تابعی (۴) امام ابو سلیمان ایوب بن تمیم تمیمی۔ یہ چاروں حضرات دمشق کے رہنے والے ہیں ان سب نے یحییٰ بن حارث ذماری سے اور انہوں نے حضرت امام ابن عامر شامیؒ سے پڑھا اور ان کی سند نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہلے بیان ہو چکی ہے۔

سیدنا ابن ذکوان آپ کا اسم مبارک عبداللہ اور والد ماجد کا احمد، دادا کا بشیر، پردادا کا ذکوان ہے۔ اسی نسبت سے آپ کی کنیت ابن ذکوان ہے۔ آپ قریشی ہیں اور دمشق کے رہنے والے ہیں۔ آپ شام میں شیخ القراآت اور جامع اموی کے امام تھے۔ امام ایوب بن تمیم کے بعد بالاتفاق رئیس القراء آپ ہی تھے۔ امام حافظ ابو زرعہ دمشقی فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک عراق حجاز، شام، مصر اور خراسان میں سیدنا ابن ذکوان کے زمانے میں ان سے زیادہ ماہر قراآت اور اچھا پڑھنے والا کوئی نہ تھا۔ آپ ۱۰ محرم الحرام ۱۷۳ھ میں پیدا ہوئے اور صحیح قول کی بناء پر بعمر ۷۹ سال ۲۴۲ھ میں دمشق میں وفات پائی رحمۃ اللہ علیہ۔

سند آپ نے ابو سلیمان ایوب بن تمیم سے انہوں نے یحییٰ ذماری سے اور انہوں نے امام ابن عامر سے پڑھا۔

امام عاصم کوفی آپ کا اسم مبارک عاصم اور کنیت ابو بکر ہے۔ قبیلہ کے لحاظ سے آپ اسدی ہیں۔ آپ بنی خزیمہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ بڑے فصیح، متقی، فاضل، تجوید دان اور خوش آواز تھے اور اس بارہ میں اپنی نظیر آپ ہی تھے۔ قرآن مجید نہایت عمدگی کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ پچاس سال کے قریب کوفہ ہی میں قراۃ کی مسند پر قائم رہے۔ آپ قرآن وحدیث، نحو، لغت اور فقہ کے امام تھے، آپ تابعی بھی تھے۔ حضرت حارث ابن حسان رضی اللہ عنہ کی صحبت پائی تھی۔ نیز عابد تھے نماز بہ کثرت پڑھتے تھے۔ جمعہ کے دن عصر تک جامع مسجد ہی میں رہتے تھے۔

سند آپ نے ابو عبدالرحمٰن عبداللہ بن حبیب سُلمی نابینا اور ابو مریم زر بن حبیش اسدیؒ اور ابو عمر سعد بن الیاس شیبانی سے قرآن مجید پڑھا اور یہ تینوں حضرات کوفی اور بڑے درجہ کے تابعی ہیں۔ ان تینوں بزرگوں نے حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابیؓ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اور ان پانچوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا۔

آپ نے مروان کی خلافت کے آخر زمانہ میں کوفہ یا ساوہ میں ۱۲۷ھ میں وفات پائی رحمۃ اللہ علیہ۔ ابو بکرؒ کہتے ہیں کہ وفات کے وقت ثُمَّ رُدُّوا اِلَی اللّٰهِ الخ بار بار پڑھتے تھے۔ آپ کے بے شمار راویوں میں سے مفضل، حماد

اور ابو حنیفہ رحمہم اللہ تعالیٰ بھی ہیں۔ مگر اس وقت آپ کے راویوں میں سے ابو بکر شعبہ بن عیاشؒ اور حفص صرف دو راویوں کی روایتیں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہیں۔

سیدنا ابو بکر شعبہ بن عیاشؒ آپ کا اسم گرامی شعبہ اور کنیت ابو بکر ہے۔ آپ بھی اپنے وقت کے امام اور بڑے عالم اور حدیث کے حافظ تھے۔ یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ ابو بکر حفص سے زیادہ ثقہ ہیں۔ امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں۔ آپ ثقہ، صدوق، صالح، صاحب قرآن اور صاحبِ سنت تھے۔ خود فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی کوئی کام شریعت کے خلاف نہیں کیا۔ ۳۰ سال سے ہر روز ایک قرآن ختم کرتا ہوں۔ حضرت ابن مبارک فرماتے ہیں کہ میں نے آپ سے زیادہ سنت پر عمل کرنے والا کوئی نہیں دیکھا۔ اخمسیؒ کہتے ہیں کہ آپ سے بہتر نماز پڑھنے والا کوئی نہیں دیکھا۔ ۷۰ سال عبادت میں مصروف رہے۔ ان میں سے ۴۰ سال اور ایک روایت پر ۵۰ سال تک آپ کے لئے بستر نہیں بچھایا گیا اور اس عرصہ میں رات کے وقت زمین پر پیٹھ نہیں لگائی۔ چوبیس ہزار مرتبہ قرآن مجید ختم کیا۔

جب آپکی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ کی ہمشیرہ رونے لگیں۔ آپ نے فرمایا روتی کیوں ہو مکان کے اس گوشہ کی طرف دیکھو میں نے اس میں اٹھارہ ہزار قرآن مجید ختم کئے ہیں۔ اور اپنے صاحبزادے سے فرمایا بیٹا اس گوشے میں اللہ کی نافرمانی ہرگز نہ کرنا ۹۴ھ یا ۹۵ھ میں پیدا ہوئے اور جمادی الاول ۱۹۳ھ میں ۹۸ یا ۹۹ سال کی عمر میں وفات پائی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

آپ نے امام عاصمؒ سے تین مرتبہ قرآن مجید پڑھا۔ پہلی مرتبہ پانچ پانچ آیات پڑھ کر تین سال میں ختم کیا۔ سخت گرمی اور شدید بارش ہوتی تب بھی سبق کا ناغہ نہیں کرتے تھے۔ بسا اوقات پانی میں سے گذر کر جانا پڑتا تھا اور پانی کمر تک یا اس سے بھی اوپر تک آجاتا تھا۔

سیدنا حفصؒ یہ آپ کا اسم مبارک ہے۔ آپ اپنے شیخ امام عاصم کے لئے پالک اور ان کے حرم محترم کے فرزندِ ارجمند تھے۔ امام عاصمؒ کی قراءۃ کے سب سے زیادہ عالم آپ ہی تھے۔ یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ عاصم کی قراءۃ سے جو روایت میں نے صحیح ترین نقل کی ہے، وہ حفص ہی کی روایت ہے۔ ابن منادیؒ کہتے ہیں کہ حفظ وضبط میں تمام متقدمین آپ کو شعبہ پر فوقیت دیتے تھے اور اپنے زمانے کے تمام لوگوں سے عمدہ پڑھنے والا شمار کرتے تھے۔ حافظ ذہبیؒ کہتے ہیں کہ قراءۃ میں آپ ثقہ ثبت اور ضابط تھے، لیکن حدیث میں یہ حال نہ تھا۔ (نشر)

چند صدیوں سے آپ کی روایت اتنی عام ہے کہ ایک ہزار حفاظ میں سے نو سو ننا نوے کو یہی ایک روایت یاد ہے اور ایسا کوئی بھی نہ نکلے گا جسے یہ روایت یاد نہ ہو اور دوسری یاد ہوں۔ ذالِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ۔

صحیح قول کی بناء پر ۹۰ھ میں پیدا ہوئے ۱۸۰ھ میں آپ نے وفات پائی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

امام حمزہ کوفیؒ آپ کا اسم مبارک حمزہ اور کنیت ابو عمارہ بن حبیب بن اسماعیل ہے۔ قبیلہ کے لحاظ سے آپ تیمی ہیں، کیونکہ آپ خود یا آپ کے بزرگوں میں سے کوئی قبیلہ تیم کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ تبع تابعین میں سے ہیں، حد درجہ کے زاہد اور پرہیز گار تھے۔ امام ابن معین کہتے ہیں کہ عبادت، زہد فضل، دین، تقویٰ میں بہترین بندوں میں سے تھے۔ امام ابن فضل کہتے ہیں کہ حمزہ کے باعث کوفہ کی بلا دور ہوتی تھی۔ آپ کے شیخ اعمش آپ کو دیکھ کر فرماتے ۔ کہ یہ قرآن مجید کے عالم ہیں۔ اور آیت وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ پڑھتے۔ امام حمزہؒ خود فرماتے ہیں کہ میں نے کتاب اللہ کا ایک حرف بھی نقل کئے بغیر نہیں پڑھا آپ پڑھانے پر تنخواہ نہیں لیتے تھے حتیٰ کہ گرمی کے دنوں میں بھی شاگردوں کے ہاتھوں سے پانی تک پینا گوارا نہیں تھا۔ آپ کا ذریعہ معاش یہ تھا کہ کوفہ سے زیتون لے جاکر حلوان میں اور وہاں سے پنیر اور اخروٹ لاکر کوفہ میں فروخت کرتے تھے۔ امام شعیب بن حرب کہتے ہیں کہ میں کوفے میں پہنچا تو امام سفیان ثوریؒ اور شریک بن عبداللہ کو دیکھا کہ امام حمزہؒ کے سامنے بیٹھے پڑھ رہے ہیں۔ میں نے اپنے جی میں کہا۔ کاش ان کے ساتھ تیسرا میں بھی ہوتا۔ امام حمزہؒ خود فرماتے ہیں کہ میں نے حضور سرور کائنات فخر دو عالم تاجدار مدینہ خاتم الانبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ہزار حدیثیں سند کے ساتھ روایت کی ہیں۔ آپ کی عادت مبارکہ یہ تھی کہ جب پڑھا کر فارغ ہو جاتے تو چار رکعتیں پڑھتے۔ ظہر و عصر اور مغرب وعشاء کے درمیان بھی نماز پڑھتے تھے۔ اور رات کا اکثر حصہ بیدار رہ کر گذارتے تھے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ آپ کو جس وقت بھی کوئی دیکھتا پڑھاتے ہی ہوتے تھے۔ نیز روایت ہے کہ ہر مہینے میں ۲۸ یا ۲۷ یا ۲۵ قرآن مجید ترتیل کے ساتھ ختم کرتے تھے۔ ترتیل کے معنی ہیں مخارج اور صفات کی رعایت رکھتے ہوئے حروف کو خوبصورتی کے ساتھ ادا کرنا اور ہمزوں کو تحقیق (سختی) کے ساتھ پڑھنا اور مدات و حرکات وسکنات وتشدید وغنہ کو پورے طور پر ادا کرنا اور یہ بھی لحاظ رکھنا کہ اعتدال کی حد سے باہر نہ ہو جائے۔ امام حمزہؒ خود فرماتے ہیں کہ زلفوں میں معمول سے زیادہ خم پیدا ہو جائے تو وہ قطط (الجھے ہوئے بال) کہلاتے ہیں، اور پسندیدہ نہیں رہتے اور سفیدی حد سے زیادہ بڑھ جاتی ہے، تو اس کا نام مرض برص ہو جاتا ہے۔ اسی طرح

جو قراءۃ مدات، غنہ جات کی مقدار میں اعتدال کی حد سے باہر ہو جائے تو وہ کامل قراءۃ نہیں بلکہ ناقص اور لحن ہے۔　　(انتہیٰ)

یہاں سے ان دوستوں کو سبق حاصل کرنا چاہیئے جو لہجہ کو مزیدار اور خوشگوار بنانے کے شوق میں مست ہو کر غنہؔ اور اخفاء اور الفات کو حد سے زیادہ بڑھاتے چلے جاتے ہیں اور جگہ جگہ سکتہ کرتے ہیں اور بلاوجہ اپنے اوپر مشقت ڈالتے ہیں اور ان کو چند کلمات پڑھنے کے بعد جا بجا سانس بھی لینا پڑھتا ہے، جس سے تلاوت کا حسن بالکل جاتا رہتا ہے اور ایسے حضرات مجلس میں ایک دو رکوع سے زیادہ نہیں پڑھ سکتے۔ ایسے خود ساختہ تکلفات کے باعث ہم نے کلام الٰہی کی تلاوت کو ایک پہاڑ بنا لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ پناہ دے، ہم نے قرآن مجید کو غلط اور تجوید کے خلاف پڑھنے کو بھی تفریح کا سامان قرار دے لیا ہے اور سننے والوں کا مذاق بھی اس قدر بگڑ گیا کہ وہ بھی ایسی ہی تلاوت کو پسند کرتے ہیں۔

دوستو! اللہ تعالیٰ کے کلام کو اسی کے خوش کرنے کی نیت سے پڑھو اور جس قدر ہو سکے عمدہ سے عمدہ لہجوں میں پڑھو اور آواز کو نفیس اور عمدہ بنانے کی کوشش کرو، لیکن تجوید کی حدود سے ذرا بھی باہر نہ جاؤ۔

آپ کوفہ کے دوسرے قاری ہیں۔ امام عاصم اور اعمشؒ کے بعد کوفہ میں آپ سب سے بڑے امام القرآت تھے۔ آپ قراۃ کے علاوہ علمِ فرائض (علم میراث) میں بھی بہت ماہر تھے۔ اسی باعث آپ کو فرضی بھی کہا جاتا تھا۔ امام ابو حنیفہؒ نے موصوف سے فرمایا کہ بلاشبہ آپ دو چیزوں میں ہم پر غالب اور فائق ہیں ان میں ہم آپ کی برابری نہیں کر سکتے۔ ایک علمِ قراۃ، دوسرا علمِ فرائض۔ (نشر)

آپ عبد الملک کے زمانہ میں ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۵۶ھ میں بعمر ۷۶ سال حلوان میں وفات پائی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

آپ کے بہت سے راویوں میں سے دو راویوں کی روایتیں بہت مشہور ہیں (۱) خلف (۲) خلاد۔

سیدنا خلف　　آپ کا اسم مبارک خلف اور کنیت ابو محمد ہے۔ آپ کے والد ماجد کا نام ہشام بزار ہے، آپ نے دس سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور تیرھویں سال حدیث کی سماعت شروع کی خود فرماتے ہیں کہ مجھے عربیت میں ایک مشکل پیش آئی تو میں نے اس کے لئے ۸۰ ہزار درہم خرچ کئے۔ حتیٰ کہ اس کو حل کر لیا۔ صاحبِ نشر فرماتے ہیں کہ آپ بہت بڑے امام عالم، ثقہ، زاہد اور بہت عبادت گذار تھے۔ آپ امام سلیمؒ (جن کا ذکر آگے آتا ہے ان) کے ممتاز شاگردوں میں سے تھے اور ان کے علاوہ اور بھی کئی شیوخ سے پڑھا۔ آپ کے ثقہ اور صدق ہونے

ہی کی وجہ سے امام مسلمؒ اپنی صحیح میں اور امام ابوداؤد اپنی مسند میں اور ان کے علاوہ اور حضرات علماء ان سے حدیث روایت کرتے ہیں۔ آپ ہمیشہ روزہ رکھتے تھے۔ دانیؒ فرماتے ہیں کہ آپ نے امام نافعؒ کی قراءۃ اسحٰق مشیبی سے اور امام عاصمؒ کی یحییٰ سے پڑھی اور خود بھی دسویں قراءۃ اختیار کی۔ صاحبِ سنت، ثقہ، مامون اور حدیث میں بھی مقدم تھے۔ آپ نے بغداد میں جمادی الثانی ۲۲۹ھ میں وفات پائی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

سیدنا خلّاد | آپ کا اسم مبارک خلّاد اور کنیت ابو عیسیٰ ہے۔ آپ کے والد ماجد کا نام ایک قول کی بناء پر خالد اور دوسرے قول کی رو سے خلید تھا۔ صاحبِ نشر فرماتے ہیں کہ آپ قراءۃ میں امام اور ثقہ، عارف، محقق مجود اور قوی الحافظہ تھے۔ حضرت دانیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمؒ کے تلامذہ میں آپ سب سے زیادہ ضابط اور جلیل تھے۔ آپ کے ثقہ ہونے کی بناء پر ترمذی اور ابن حزیمہ کی صحیح میں آپ سے ایک ایک حدیث منقول ہے۔ آپ کی وفات کوفہ میں ۲۲۰ھ میں ہوئی۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

امام ابو عیسیٰ سلیم | ان کے حالات میں صاحبِ نشر فرماتے ہیں کہ آپ قرآت میں امام اور ضابط اور ماہر تھے اور کسی جگہ بھی حمزہ کی قراءۃ کے خلاف نہیں کیا اور امام حمزہ کے تلامذہ میں سب سے قوی الحافظ اور ان کے خواص میں سے تھے۔ اور جب نوافل وغیرہ میں قراءۃ پڑھتے تھے تو امام حمزہ آپ کے پیچھے ہوتے تھے۔ امام یحییٰ بن عبدالمالک فرماتے ہیں کہ ہم امام حمزہ کے روبرو قراءۃ پڑھتے ہوتے اور سلیم تشریف لے آتے تو امام حمزہؒ ہم سے فرماتے کہ مؤدب اور ہوشیار ہو کر اور جم کر بیٹھو کہ سلیم آ گئے ہیں۔ خود فرماتے ہیں کہ میں نے امام حمزہؒ سے دس مرتبہ قرآن مجید پڑھا۔ صاحبِ نشر کے بیان کے مطابق ۱۸۸ھ یا ۱۸۹ھ میں بعمر اڑسٹھ یا سڑسٹھ سال کوفہ میں وفات پائی، رحمۃ اللہ علیہ۔

سند | حضرت سلیمؒ نے امام حمزہؒ سے اور انہوں نے امام ابو اسحٰق عمرو بن عبداللہ سبیعی اور حضرت ابوعبداللہ جعفر صادق بن محمد باقر بن حضرت زین العابدین بن حضرت حسین بن علی کرم اللہ وجہہٗ رضی اللہ عنہم وغیرہم آٹھ شیوخ کرام سے قرآن مجید پڑھا اور ابو اسحٰق نے ابوعبدالرحمٰن سلمی اور زر بن حبیش سے پڑھا ہے اور ان کی سند نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک امام عاصم کے بیان میں لکھی جا چکی ہے اور حضرت ابوعبداللہ جعفر نے اپنے والد ماجد محمد باقر سے اور انہوں نے اپنے والد حضرت زین العابدین سے اور انہوں نے حضرت حسین سے اور انہوں نے حضور پرنور سرورِ دو عالم شفیع المذنبین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اور آپ نے بواسطہ حضرت جبریل علیہ السلام لوحِ محفوظ یا ربِ جلیل و قدیر سے حاصل کیا۔

••

جامعہ مدنیہؒ کے لیے

ضروری تعاون کی

اپیل

بحمد اللہ جامعہ مدنیہ کا تعلیمی کام روز بروز وسعت پکڑتا جارہا ہے۔ اس کے لئے موجودہ عمارت اور جگہ نا کافی ہے۔ اس لئے قریبی ملحق زمین خریدنی ضروری ہے۔ جامعہ کی اتنی مالی وسعت نہیں ہے کہ وہ ایک لاکھ بیس ہزار کی رقم ادا کر سکے۔ اس لئے تمام باحیثیت دینی درد رکھنے والے حضرات سے التماس ہے کہ وہ اس عظیم کارِ خیر اور صدقۂ جاریہ میں حصّہ لے کر قیامت تک جاری رہنے والی نیکی میں شریک ہوں۔

منجانب :

اراکین جامعہ مدنیہ - لاہور

فون نمبر ــــ ۶۲۹۳۲

"کتاب الآراء سے۔"

رائے گرامی

شیخ الازہر جناب محمد محمد الفحام مدظلہم

حال ہی میں دنیاءِ اسلام کی عظیم اسلامی یونیورسٹی جامعہ ازہر مصر کے شیخ، جناب شیخ محمد محمد الفحام نے پاکستان کا دورہ فرمایا۔ جامعہ مدنیہ لاہور کے مہتمم مخدومنا المحترم حضرت مولانا سید حامد میاں مدظلہم سے آپ کے خصوصی تعلقات ہیں۔ اسی بناء پر جب آپ (شیخ الازہر) لاہور تشریف لائے تو تھوڑی دیر کے لئے جامعہ میں بھی رونق افروز ہوئے۔ طلبہ کو شرفِ زیارت بخشا۔ دعائیں دیں اور ان سے عربی زبان میں بات چیت بھی فرمائی۔ مدرسہ دیکھ کر بہت محظوظ ہوئے — آپ نے جامعہ کی "کتاب الآراء" پر جو رائے تحریر فرمائی وہ ہمارے لئے باعثِ صد مسرت ہے اور ایک سند کی حیثیت رکھتی ہے۔ فللہ الحمد۔ ہم انکی رائے گرامی تیمناً انوارِ مدینہ میں شائع کر رہے ہیں۔ اشرف۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وبہ نستعین

حامدا ومصلیا ومسلما۔

وبعد فقد کان من دواعی سروری واغتباطی ان التقی باخی العزیز وصدیقی الحمیم الاستاذ الفاضل والعالم الجلیل الشیخ حامد میاں اطال اللہ عمرہٗ وتوفیقہ ایاہ لخدمۃ العلم والدین وحقق علی یدیہ ما ارجوہ للمسلمین عموما وللباکستانیین خصوصا من نشر العلم واللغۃ العربیۃ۔

لقد عرفتہ منذ اکثر من عشر سنوات فی مدینۃ لاہور فعرفت بہ الفضل والعلم والصلاح والتقوی وکان لہ فی قلبی محبۃ قلما تقاربہا محبۃ۔

وقد کان من دواعی حضوری الی لاہور ہذہ المرۃ رغبتی الشدیدہ

وشوقی الکبیر لرؤیتہ ــ وقد تاکدحبی لہ لما علمت بخبر فضیلۃ والدہ الشیخ محمد میاں فقد اخبرنی صدیقی واخی الشیخ عبد المنعم النمر عنہ الشئ الکثیر۔ وکان سروری مضاعفا برؤیۃ اولادہ الثلاثۃ الذین ارجولہم جمیعا مستقبلا باھرا ونجاحا مطردا۔

وضاعف من تقدیری لہ مازرتہ اللیلۃ من الجامعۃ المدنیۃ التی جمعت طائفۃ من الطلبۃ من شتی الجہات وکلہم مقبل علی العلم مہتم بواجبہ شاعر بالتبعات الملقاۃ علی عاتقہ۔

اسأل اللہ لہ دوام التوفیق وان یحقق اللہ علی یدیہ کل خیر لھٰذہ البلاد العزیزۃ علیّ وعلی کل مسلم۔

الدکتور محمد محمد الفحام ـ شیخ الازھر

الثلثاء ۲۷ من ذی القعدۃ ۱۳۹۲ھ

۲ر من ینایر ۱۹۷۳ء

پاکستانی قانون کیا ہونا ضروری ہے۔

۱ـ ہر کام مزاج کے موافق مُفید اور مزاج کے خلاف خطرناک ہوتا ہے۔ مسلمانوں کا مزاج اسلامی ہے۔ ان کے لئے غیر اسلامی قانون خطرناک ہے۔

۲ ـ اسلامی قانون خدائی قانون ہے جس کو ہر قانون سے وہی مرتبہ حاصل ہے جو خود خدا تعالیٰ کو سب سے ہے۔

۳ ـ جیسے خدا تعالیٰ سے رُوگردانی دوجہاں کی تباہی ہے، خُدائی قانون سے روگردانی بھی تباہی ہے۔

۴ ـ نیک مسلمان کُل مخلوقات سے بہتر اور کافر کل مخلوق سے بدتر ہے (سورہ بیّنۃ) بہترین کے لئے بدترین کا قانون اس کی توہین و بربادی ہے۔ بہترین کے لئے بہترین قانون ہی درکار ہے۔

۵ ـ متفقہ اطمینانی اسلامی قانون کی واحد صورت یہ ہے کہ اکثریت کے فقہ سے نقل کرکے دوسرے فرقوں سے اختلافی دفعہ میں ذیلی دفعات بڑھالی جائیں۔

۶ ـ پاکستان قدیم اسلامی حکومت کا واپس شدہ حصہ ہے۔ یہی اُس کا قانون تھا یہی اس کا ہونا لازم ہے۔

۷ ـ ملک کے مشہور مفتیوں کی پرکھ سے ہی معلوم ہوسکے گا کہ غیر اسلامی کو اسلامی تو نہیں قرار دیا گیا۔

حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی مدظلہٗ

اسلامیہ کالج پشاور کے کتب خانہ کے چند قلمی نوادر

— جناب پروفیسر محمد اسلم صاحب —

انیسویں صدی کے اواخر میں پشاور میں مولانا حافظ غلام جیلانیؒ نام کے ایک عالم و فاضل بزرگ ہو گزرے ہیں جنہیں نادر و نایاب کتابیں جمع کرنے کا جنون تھا۔ موصوف کی یہ خواہش ہوا کرتی تھی کہ انہیں مصنف کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب مِل جائے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو کم از کم ایسی کتاب ان کے ہاتھ لگ جائے جو مصنف کے خود نوشت نسخہ سے نقل کی گئی ہو۔ اگر کسی طرح یہ بھی ممکن نہ ہو تو پھر کم از کم مصنف سے قریب العہد کتاب مل جائے۔ مولانا نے اپنی حیات میں ہزاروں کی تعداد میں قلمی کتابیں جمع کر لی تھیں جن میں سے بعض اکابرینِ امت کے مقدس ہاتھوں کی لکھی ہوئی تھیں۔

مولانا غلام جیلانی کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی اس لئے ان کی وفات کے بعد ان کا نادرِ روزگار کتب خانہ ان کی بیوہ اور بیٹی کے حصہ میں آیا۔ مولانا کی رحلت کے بعد شاہ افغانستان نے اس علمی ذخیرے کو کابل منتقل کرنا چاہا اور معاوضہ کے طور پر ڈیڑھ لاکھ روپے کی پیشکش کی، لیکن ان ایثار پیشہ اور متوکل خواتین نے اس شاہانہ پیشکش کو ٹھکرا دیا۔ اس واقعہ کے چند سال بعد جب اسلامیہ کالج پشاور کی بنیاد رکھی گئی تو سر عبدالقیوم خان نے ان علم دوست خواتین کو مولانا غلام جیلانی کا کتب خانہ کالج کے نام وقف کر دینے پر رضامند کر لیا۔

مولانا کے جمع کردہ علمی ذخیرے میں بڑے بڑے انمول موتی ہیں جن میں سے چند ایک کا تعارف اس مضمون میں کرایا جا رہا ہے۔ میں جناب سید وحید شاہ صاحب، لائبریرین اسلامیہ کالج لائبریری کا صمیم قلب سے ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھے ان مخطوطات کی زیارت کرائی۔

•••

تفسیر الکشاف (عربی) تفسیر الکشاف کا شمار قرآن پاک کی اہم ترین تفاسیر میں ہوتا ہے۔ اس کے متعلق ہمارے علماء کی یہ رائے ہے۔ لولا الکشاف لکان القران بکراً اس تفسیر کے مصنف ابوالقاسم محمود بن عمر المعروف بہ جار اللہ زمخشری گو مذہباً معتزلی تھے تاہم انہوں نے قرآنی محاورات پر جس طرح سے تحقیق کی ہے اور قرآنِ پاک سے

جو نکتے استخراج کیے ہیں وہ انہی کا حصہ تھا۔ اسی وجہ سے اختلافاتِ عقائد کے باوجود یہ تفسیر ہمارے علماء کے درمیان متداول رہی ہے۔ اسلامیہ کالج لائبریری میں الکشاف کا جو مخطوطہ محفوظ ہے اس کی یہ خصوصیت ہے کہ اسے ۸۶۶ھ میں مصنف کے اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخہ سے نقل کیا گیا تھا اور اس کے سرورق پر عبدالرحیم خانخاناں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ۹۹۲ھ کی ایک عربی تحریر موجود ہے۔ یہ مخطوطہ اکبر اور اورنگ زیب کے کتب خانوں کی زینت رہ چکا ہے۔

کتاب الاقناع (عربی) مسیح الملک حکیم اجمل خان مرحوم نے کتاب الاقناع کو دیکھ کر فرمایا تھا کہ یہ طب و جراحت کے موضوع پر عدیم المثال کتاب ہے۔ یہ دراصل یونانی زبان کی ایک کتاب تھی جسے خلیفہ مقتدی بامراللہ کے ذاتی معالج سعید بن ہبۃ اللہ نے عربی زبان کے قالب میں ڈھالا تھا۔ برصغیر پاک و ہند میں کتاب الاقناع کا یہ واحد مخطوطہ ہے۔ اس مخطوطہ کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ فاضل مترجم کے زمانۂ حیات ہی میں ۴۸۱ھ میں لکھا گیا تھا۔ یہ مخطوطہ شاہجہان کے کتب خانہ میں رہ چکا ہے۔

حیاۃ الانسان (عربی) حیاۃ الانسان تصوف کے موضوع پر شیخ سیّد محمد الکردی المدنی الشافعیؒ خلیفۂ حضرۃ سید عبدالقادر جیلانیؒ کی ایک گرانقدر تصنیف ہے۔ اسلامیہ کالج لائبریری کے مخطوطہ کی یہ خصوصیت ہے کہ اسکے چھ اجزاء فاضل مصنف کے خادمِ خاص شیخ علی محلّی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں اور بقیہ کتاب شیخ تاج الدین مقدسی کی لکھی ہوئی ہے۔ اس مخطوطہ کے سرورق پر اورنگ زیب عالمگیرؒ کی مہر ثبت ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مخطوطہ ان کے مطالعہ میں رہ چکا ہے۔

تفسیر نیشاپوری (عربی) تفسیر نیشاپوری یا تفسیر غرائب القرآن علاّمہ حسن بن محمد بن حسین قمی المعروف بہ نظام الاعرج نیشاپوری نے ۷۲۸ھ میں تحریر فرمائی تھی۔ فاضل مصنف مولانا فخر الدین رازیؒ کی علمیت سے بیحد مرعوب تھے۔ اس لئے تفسیر نیشاپوری کو ایک لحاظ سے تفسیر کبیر کا خلاصہ سمجھنا چاہیئے، البتہ تفسیر لکھتے وقت علاّمہ موصوف نے الکشاف اور دوسری تفاسیر سے محققانہ مباحث اخذ کیے ہیں اور اس کے ساتھ ہی روایات کی صحت کا بھی التزام کیا ہے۔ یہ تفسیر اگرچہ طبع ہو چکی ہے تاہم اسلامیہ کالج لائبریری میں اس کا نویں صدی کا نوشتہ ایک مخطوطہ موجود ہے۔ راقم الحروف نے اس تفسیر کا ایک مخطوطہ پیر محمد شاہ لائبریری احمد آباد میں دیکھا تھا جو فنِ کتابت کا بہترین نمونہ ہونے کے علاوہ اپنی قدامت کے لئے بھی مشہور ہے۔

کیمیائے سعادت (فارسی) کیمیائے سعادت امام ابی الحامد محمد الغزالیؒ کی ایک شاہکار تصنیف ہے

جو متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔ اسلامیہ کالج لائبریری کے مخطوطہ کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ ۶۶۸ھ کا کتابت شدہ اور دنیا کا تیسرا قدیم ترین نسخہ ہے۔ اس کی سیاہی غیر مطموس ہے یعنی پانی میں بھیگنے سے خراب نہیں ہوتی۔

حاشیہ عضدی (عربی) شیخ جمال الدین ابو عمرو عثمان بن عمر المعروف بہ ابن حاجب مالکیؒ (المتوفی ۶۴۶ھ) نے اصول فقہ پر "منتہی السوال والامل فی علم الاصول والجدل" کے نام سے ایک معرکۃ الآراء کتاب لکھی تھی۔ یہ ایک ضخیم کتاب تھی جس سے عام لوگ استفادہ نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے فاضل مصنف نے خود ہی اس کا ایک خلاصہ تیار کیا جو "مختصر ابن الحاجب" کے نام سے مشہور ہوا۔ علامہ عضد الدین عبدالرحمٰن بن احمد الایجی (المتوفی ۷۵۶ھ) نے اس کی ایک فاضلانہ شرح لکھی تھی جو علمی حلقوں میں کافی مقبول ہوئی۔ بعد ازاں علامہ سید شریف جرجانی نے اس شرح پر حاشیہ لکھا جو "حاشیہ عضدی" کے نام سے مشہور ہوا۔ اسلامیہ کالج لائبریری کے مخطوطہ کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ شیخ موصوف نے یہ کتاب اپنے فرزند شیخ نور الحقؒ کو سبقاً سبقاً پڑھائی تھی اور شیخ نور الحقؒ نے اسی طرح آگے اپنے بیٹے کو پڑھائی تھی۔

زیج الغ بیگ خان (فارسی) الغ بیگ خان مرزا شاہرخ کا بیٹا اور امیر تیمور کا پوتا تھا اور علم ہیئت پر بڑی گہری نظر رکھتا تھا۔ اس نے ایک عظیم الشان رصدگاہ بنوائی تھی جہاں بڑے بڑے قابل ہیئت دان ستاروں کی نقل و حرکت کے مطالعہ میں مصروف رہتے تھے۔ الغ بیگ نے ان ماہرین سے ایک زیچ تیار کروائی تھی جو اس کے نام کی مناسبت سے "زیچ الغ بیگ خان" کے نام سے مشہور ہوئی۔ اسلامیہ کالج لائبریری کے مخطوطہ پر علامہ فضل اللہ بن محمد الحسینی کی ۹۷۰ھ اور ابن عباد اللہ الحسینی کی ۹۸۲ھ کی مہریں ثبت ہیں۔ اس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ یہ مخطوطہ زمانہ تحریر سے بہت قریب کا کتابت شدہ ہے۔

رضی شرح کافیہ (عربی) یہ مقدمہ ابن حاجب نحوی المالکیؒ کی سب سے بڑی شرح ہے جو شیخ رضی الدین محمد بن حسن استرآبادی (۶۸۶ھ) نے لکھی تھی۔ علامہ جلال الدین سیوطی کا کہنا ہے کہ علم نحو پر اس جیسی جامع اور محققانہ کتاب نہیں لکھی گئی۔ علامہ رضی کی یہ شرح قدیم عربی ادب کے متعلق ایسی معلومات بہم پہنچاتی ہے جن کے ماخذ زمانے کی دستبرد سے محفوظ نہیں رہے۔ اسلامیہ کالج لائبریری کے اس مخطوطہ کی یہ خصوصیت ہے کہ اسے عطاء اللہ بن محمد الحسینی صاحب روضۃ الاحباب نے سمرقند میں ۸۲۷ھ میں اپنے ہاتھ سے لکھا تھا۔ اس مخطوطہ کے سرورق پر شیخ فیضی اور علامی ابوالفضل کے بھائی ابوالبرکات اور شاہجہان کی مہریں ثبت ہیں۔

عجائب الاشعار (عربی) یہ نادر کتاب مسلم بن محمود شیرازی کی تالیف ہے جو اس نے الملک المعز

فتح الدین اسمٰعیل بن ملک العزیز کی خدمت میں پیش کی تھی۔ اس کتاب کا تعلق عربی ادب سے ہے اور اسلامیہ کالج لائبریری کے علاوہ اس کا نسخہ اور کہیں موجود نہیں۔ کشف الظنون کے مصنف حاجی خلیفہ چلپی اس کتاب سے متعارف تھے، لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ انہوں نے جو مخطوطہ دیکھا تھا وہ اب کہاں ہے۔ عجائب الاشعار کا یہ مخطوطہ ۶۹۰ھ میں مصنف کی حیات ہی میں لکھا گیا تھا اور اس پر شاہجہان اور اورنگ زیب عالمگیر کی مہریں ثبت ہیں۔

یوسف زلیخا (پشتو) پشتو زبان کے مشہور شاعر خوشحال خٹک کے فرزند عبدالقادر نے مولانا جامیؒ کی شہرہ آفاق تصنیف یوسف زلیخا کا پشتو زبان میں منظوم ترجمہ کیا تھا۔

شرح مجمع البحرین (عربی) مجمع البحرین فقہ کے موضوع پر امام مظفر الدین احمد بن علی بن ثعلب المعروف بہ ابن الساعاتی (المتوفی سنہ ۶۹۴ھ) کی مایہ ناز تصنیف ہے۔ یوں تو مجمع البحرین کی متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں، لیکن ان میں خود فاضل مصنف کی لکھی ہوئی شرح بیحد اہم ہے۔ اسلامیہ کالج لائبریری کے مخطوطہ کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ تاریخ جبرتی کے مصنف عبدالرحمٰن کے جدّ اعلیٰ علاّمہ علی بن محمد جبرتی کے ہاتھ سے لکھا ہوا ہونے کے علاوہ ناظمانِ دکن کے مورث اعلیٰ غازی الدین خان فیروز جنگ کے کتب خانہ کی زینت رہ چکا ہے۔

تفسیر بحر موّاج (فارسی) تفسیر بحر موّاج ملک العلماء مولانا شہاب الدین دولت آبادیؒ کی تالیف ہے، فاضل مؤلف کا شمار چودھویں صدی عیسویں کے اواخر میں دہلی کے نامور علماء میں ہوتا تھا۔ امیر تیمور نے جب ۱۳۹۸ء میں دہلی پر حملہ کیا تو مولانا شہاب الدین داروگیر سے بچنے کے لئے جونپور چلے گئے جہاں سلطان ابراہیم شرقی نے ان کا پُرتپاک خیر مقدم کیا۔ سلطان کے دل میں مولانا کی جو قدر و منزلت تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک بار جب مولانا علیل ہوئے تو سلطان ان کی عیادت کو آیا اور اس نے پانی کا ایک پیالہ مولانا کے سر کے گرد پھیر کر نوش کیا اور خدا تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ مولانا کے بدلے ان کی جان لے لے۔ مشہور مؤرخ فرشتہ لکھتا ہے کہ سلطان نے مولانا کے لئے دربار میں چاندی کی ایک کرُسی مخصوص کر رکھی تھی۔

تفسیر بحر موّاج تین ہزار صفحات کی ضخیم کتاب ہے، لیکن بدقسمتی سے دنیا کی کسی لائبریری میں اس کا مکمل نسخہ موجود نہیں۔ سورۃ الحمد سے سورۃ الکہف تک کا حصہ انڈیا آفس لائبریری لنڈن میں محفوظ ہے، جس کی مائیکروفلم راقم الحروف کے پاس موجود ہے۔ سورۃ مریم سے سورۃ والناس تک کے اجزاء ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (کلکتہ) کی لائبریری میں موجود ہیں۔ اسلامیہ کالج لائبریری میں سورۃ الحمد سے سورۃ

توبہ تک اور سورۂ صٓ سے سورۃ والناس تک کی تفسیر موجود ہے۔ کاش کوئی ادارہ اس تفسیر کے منتشر اجزاء کو یکجا کر کے شائع کر دے تاکہ لوگ اس تفسیر سے استفادہ کرنے کے علاوہ مولانا کے کام اور ان کے صحیح مقام سے متعارف ہو سکیں۔

فتح الباری (عربی) یوں تو صحیح بخاری کی بہت سی شرحیں لکھی گئی ہیں، لیکن جو مقام علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کی شرح فتح الباری کو حاصل ہے وہ کسی دوسرے شارح کو نہیں مل سکا۔ فتح الباری متعدد بار شائع ہو چکی ہے اور اس کے قلمی نسخے بھی عام پائے جاتے ہیں۔ اسلامیہ کالج لائبریری میں فتح الباری کی جلد اول موجود ہے اور یہ مخطوطہ اس لحاظ سے بے حد اہم ہے کہ یہ ۸۳۳ھ میں مصنف کی حیات ہی میں فتح الباری کی تکمیل سے پہلے ورطۂ تحریر میں آیا تھا۔

اقلیدس (عربی) یہ ۱۷۵ ورق کا مخطوطہ محقق نصیر الدین طوسی کی تالیف ہے۔ دراصل یہ ریاضی کی ایک یونانی کتاب کا عربی ترجمہ ہے۔ محقق طوسی سے پہلے حجاج بن یوسف کوفی المعروف بہ مامونی، حنین ابن اسحٰق اور ثابت بن قرہ اس یونانی کتاب کو عربی قالب میں ڈھال چکے تھے۔ ان تراجم میں سے مامونی اور ثابت بن قرہ کے تراجم علمی حلقوں میں کافی مقبول ہوئے۔ محقق طوسی نے ان دونوں تراجم کی مدد سے اقلیدس کا متن ایڈٹ کیا تھا۔ عربی متن میں جیومیٹری کی ۴۶۸ شکلیں موجود ہیں جو بڑی صفائی اور نفاست سے بنائی گئی ہیں۔ اسلامیہ کالج لائبریری کا مخطوطہ ۱۱۴۵ھ کا کتابت شدہ ہے۔

مفاتیح الرحمۃ و مصابیح الحکمۃ (عربی) مفاتیح الرحمۃ و مصابیح الحکمۃ علم کیمیا (کیمسٹری) کے موضوع پر علامہ طغرائی اصفہانی کی تالیف ہے۔ مسیح الملک حکیم اجمل خان مرحوم نے اپنے دورۂ پشاور کے دوران اس کتاب کا مطالعہ کر کے اسے "دُرِّ نایاب" سے تعبیر کیا تھا۔ مولانا غلام جیلانی کے کتب خانہ میں داخل ہونے سے پہلے یہ مخطوطہ جس شخص کی ملکیت تھا اس نے اس کے آخری صفحہ پر لکھا ہے کہ وہ مفاتیح الرحمۃ کے بارہ ہزار روپے دینے پر رضامند ہو گیا تھا، لیکن اس کے باوجود اس کا مالک اسے خود سے جُدا کرنے پر رضامند نہ ہوا۔ بالآخر بڑی منت سماجت کے بعد اسے چند روز کے لئے مطالعہ کے لئے دینے پر رضامند ہو گیا۔ اور اس نے بارہ کاتبوں کی مدد سے چھ دن میں پورا مخطوطہ نقل کروا لیا۔

جواهر التفسیر (فارسی) جواہر التفسیر علامہ مجد الدین خاصہ کی تصنیف ہے۔ موصوف شیراز کے رہنے والے تھے اور ان کا شمار اپنے عہد کے جید علماء میں ہوتا تھا۔ فاضل مفسر نے عام علماء کی روش سے ہٹ کر

(باقی ص۲۷ پر)

غزل

احسان دانش

غیرِ خدا کی دل میں محبت نہ چاہیئے — اس آئینے پہ گردِ کدورت نہ چاہیئے
خوفِ خدا نہیں تو نہیں کارِ خیر بھی — زندہ حقیقتوں سے بغاوت نہ چاہیئے
اشکوں سے سوزِ غم کی نمائش ہے کیا ضرور — اس سیلِ بے صدا کی وضاحت نہ چاہیئے
جو تیرا حق ہے اس کا تقاضا خدا سے کر — دُنیا جو دے اُسی پہ قناعت نہ چاہیئے
ہر محوِ دید اُس کے خد و خال لے اُڑا — آئینے میں بھی جس کی شباہت نہ چاہیئے
اے شخص! رہبری و نبوّت میں فرق کر — گستاخیٔ شکستِ شریعت نہ چاہیئے
کشکول بھی ہے طبعِ قلندر پہ دل کا بوجھ — درویش میں سوال کی عادت نہ چاہیئے
یہ بھی کسی کی سیج، کسی ہار کے نہ ہوں — سُوکھے ہوئے گلوں سے بھی نفرت نہ چاہیئے
مانا کہ رحمتیں ہیں ازل ہی سے بے کنار — لیکن غلط کہ فکرِ قیامت نہ چاہیئے
پیرِ مغاں سُنا ہے مسلمان ہو گیا — پیمانہ آج کوئی سلامت نہ چاہیئے
صحرا میں اُٹھ رہے ہیں بگولے اُٹھا کریں — شہروں میں آندھیوں کی حمایت نہ چاہیئے
یہ بھی تو چار دن میں اِسی رُخ پہ آئیں گے — دشمن کی دوستوں سے شکایت نہ چاہیئے
خوفِ خزاں سے زرد ہے گلشن روش روش — اس وقت ٹہنیوں سے شرارت نہ چاہیئے
تو آفتاب ہے تو چھڑک کھیتوں پہ رنگ — آغازِ صبح سے یہ تمازت نہ چاہیئے
جس میکدے میں عام ہو پیرِ مغاں کا فیض — پھر شورِ تشنگی کی شرارت نہ چاہیئے
دل خون ہو رہا ہے تو اب اس کا کیا علاج — چاہا اسے کہ جس سے محبت نہ چاہیئے
نفرت گناہ سے تو شرافت کی ہے دلیل — لیکن گناہگار سے نفرت نہ چاہیئے

ہر چہرۂ جمیل سے دانش پھرے نگاہ
اتنی بھی چشم و دل کی حفاظت نہ چاہیئے

تبصرہ

ترجمہ
"کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ" -

یہ کتاب چاروں مذاہب کی معلومات کے بارے میں ایک عظیم الشان تصنیف ہے - اس کے مصنف عبدالرحمٰن الجزیری المتوفی ۱۳۶۰ھ ۱۹۴۱ء ہیں - رحمۃ اللہ علیہ - جن کا اندازِ بیان نہایت سلجھا ہوا، نظر نہایت دقیق اور علم نہایت وسیع تھا ——— یہ کتاب چار جلدوں میں ہے اور محکمہ اوقاف پنجاب نے اس کا ترجمہ کرا کر پہلی جلد شائع کر دی ہے جو بڑے سائز کے ۱۲۰۹ صفحات پر مشتمل ہے۔ طباعت ٹائپ سے کرائی گئی ہے - مجلد کتاب کی قیمت پچاس روپے ہے - یہ ترجمہ جناب منظور الحسن صاحب عباسی نے کیا ہے - انہوں نے یہ کام پوری تندہی سے انجام دیا ہے - ان کا یہ ترجمہ ۲۰ مئی ۱۹۷۱ء کو اختتام پذیر ہوا - شکر اللہ سعیہ -

عرب ممالک میں ائمۂ اربعہ کے متبعین گھلے ملے رہتے ہیں ان کی آبادیاں مخلوط ہیں آپس کے تعلقات فرقہ داری تعصبات سے پاک ہیں - ان کو ایسی جامع کتاب کی اشد ضرورت تھی۔

ہمارے یہاں اکثریت مسلکِ حنفی رکھتی ہے، لیکن علماء کرام دیگر ائمہ کے مسالک سے بھی پوری طرح آگاہ ہوتے ہیں - ایسی کتاب اگر ان کے زیر مطالعہ رہے تو وسعت کا وسیلہ ہوگی -

محکمۂ اوقاف علماء کرام کی علمی صلاحیتوں کو بھی ابھارنے کی کوشش کر رہا ہے اور یہ کتاب اسی کوشش کا نتیجہ ہے -

مصنف علام عبدالرحمٰن الجزیری رحمہ اللہ تعالیٰ نہایت فراخ حوصلہ عالم تھے انہوں نے تحریر فرمایا ہے کہ ان سے پہلی طباعت میں کچھ اغلاط ہو گئی تھیں، جب لوگوں نے انہیں خطوط لکھے تو انہوں نے اس سے رجوع کر لیا اور اگلی اشاعت میں اس کی تصحیح کر دی -

اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ ایک آدمی اپنے مسلک کا تو پورا علم رکھ سکتا ہے، لیکن وہ چاروں مسالک کا

ایسا علم رکھے کہ ہر مسلک کا قول مفتی بہ اور راجح و مرجوح اسے پوری طرح معلوم ہو، مشکل ہے۔

اس کا اندازہ اس مثال سے کیجئے کہ انہوں نے صـ ۵۲ پر حنفی مسلک بیان فرماتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:

لان الوضوء عندهم لا يتوقف على نية لان النية ليست من فرائضه كما ستعرفه بخلاف التيمم فانه لا يصح من الكافر لتوقفه على النية لانها فرض في التيمم كما يأتي۔

صـ ۱۵۷ پر تحریر فرمایا ہے:

الحنفية قالوا ان النية شرط في التيمم وفي الوضوء كما تقدم وليست ركنا۔

اس قسم کے علمی تسامح کا سبب اختلاف مسالک ائمہ پر کامل عبور نہ ہونا ہی ہے جو درحقیقت بہت ہی مشکل کام ہے۔ جو بھی اس کام کو کرتا اس سے ایسا تسامح ہوتا، لیکن حنفی مسلک کے علماء جن کا مشغلہ تعلیم و تدریس ہو کم از کم ایسی چیزوں کی تصحیح کر سکتے ہیں جو مسلک حنفی کی مختار نہ ہوں۔ اس لئے محکمہ اوقاف کو اس کی ہر چہار جلد پر اس نقطہ نظر سے کسی جید عالم سے نظر ثانی کرا لینی چاہیئے۔ جبکہ محکمہ کو جامعہ اسلامیہ میں ایسے حضرات میسر بھی ہوں گے۔

اس حوالہ سے ہمارا مقصود مصنف علام پر نکتہ چینی یا منقصت نہیں ہے۔ ہمارا مقصود موجودہ حضرات کو توجہ دلانا ہے تاکہ وہ اس فریضہ کو بحسن و خوبی انجام دے سکیں۔

"حضرات القدس":

مطبوعہ۔ محکمہ اوقاف پنجاب۔ لاہور۔ صفحات۔ ۴۱۲

قیمت۔ ۱۵ روپے۔ (طباعت ٹائپ سے ہوئی ہے)

یہ عظیم الشان کتاب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے خلیفہ جلیل حضرت بدرالدین سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔ جو تصوف کے نکات و رموز پر نہایت بلند پایہ کتاب ہے۔ اس کتاب کے تمام ہی حصے نرالے اور معلومات افزا ہیں، لیکن خاص طور پر وہ حصہ بہت مفید ہے جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراضات کا جواب ہے۔ یعنی الحضرة السابعة۔

لیکن یہ کتاب فارسی میں ہے اور اب فارسی سے مستفید ہونے والے کم ہوتے جا رہے ہیں۔ بہتر ہو کہ محکمہ اس کے ترجمہ کا بھی اہتمام کرے۔ تاکہ اس سے استفادہ کی راہ میں جو پردہ حائل ہے وہ اٹھ جائے۔

"جائزہ مدارسِ عربیہ مغربی پاکستان"

مرتبہ: حافظ نذیر احمد صاحب ، ناشر: مسلم اکادمی - محمد نگر - علامہ اقبال روڈ - لاہور -

صفحات : ۷۲۰ — قیمت : ۲۲ روپے ، علاوہ ڈاک خرچہ -

پاکستان میں مدارسِ عربیہ کا ایک جال بچھا ہوا ہے - قریباً قریباً ہر شہر اور ہر قریہ میں مدرسہ موجود ہے - لیکن مقامِ افسوس ہے کہ ان مدارس کی خدمات اور ان کے حالات و کوائف سے نہ صرف عام باشندگانِ ملک بے خبر ہیں بلکہ خود ان مدارس کے ارباب بست و کشاد بھی ایک دوسرے کے مدرسہ سے کماحقہ متعارف نہیں ہیں۔ ضرورت تھی کہ ان مدارس کو متعارف کرایا جائے - تاکہ ملک کے مسلمانوں کو ان کی دینی خدمات کا علم ہو، اور خود ان مدارس کا بھی آپس میں ربط و تعلق پیدا ہو -

محترم حافظ نذر احمد صاحب دام مجدہم نے زبردست محنت و کاوش کے بعد ۵۶۳ مدارس عربیہ کے حالات پر مشتمل ایک کتاب بنام "جائزہ مدارس عربیہ مغربی پاکستان" مرتب فرما کر اس ضرورت کو کسی حد تک پورا کر دیا ہے۔

کتاب میں دیوبندی ، بریلوی ، اہلِ حدیث اور اہلِ تشیع سب ہی مکاتب فکر کے مدارس کے حالات درج ہیں - مدارس کے تعارف کے ساتھ ساتھ اس میں درس نظامی کی تاریخ اور دیگر مفید معلومات بھی جمع کی گئی ہیں -

اللہ تعالیٰ انہیں انکی اس محنت و جانفشانی کا اجر دے - بلا شبہ انہوں نے ایک شاندار اور قابلِ قدر کارنامہ انجام دیا ——

(بقیہ صـ ۶۸)

بالکل ایک نئے انداز سے قرآن پاک کی تفسیر کی ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے - اسلامیہ کالج لائبریری میں جواہر التفسیر کا نویں صدی کا نوشتہ ایک خوشخط مخطوطہ موجود ہے جس میں صرف پہلے دس پاروں کی تفسیر ہے -

تفسیر مدارک التنزیل (عربی) تفسیر مدارک التنزیل ماوراء النہر کے مشہور عالم ابوالبرکات عبداللہ بن احمد نسفی المعروف بہ حافظ الدین نسفیؒ کی تصنیف ہے - یہ وہی بزرگ ہیں جن کی تصانیف میں سے وافی، اس کی شرح کافی اور کنز الدقائق اہلِ علم حضرات سے خراجِ عقیدت وصول کر چکی ہیں -

- تفسیر مدارک التنزیل میں النسفی نے جاراللہ زمخشری کی تفسیر الکشاف کا تتبع کیا ہے ، اس لئے اگر کسی نے الکشاف کا خلاصہ دیکھنا ہو تو وہ مدارک التنزیل کو دیکھ لے - اسلامیہ کالج لائبریری میں اس کا ایک خوشخط قلمی نسخہ محفوظ ہے -